سفرنامۂ آخرت

طالب ہاشمی

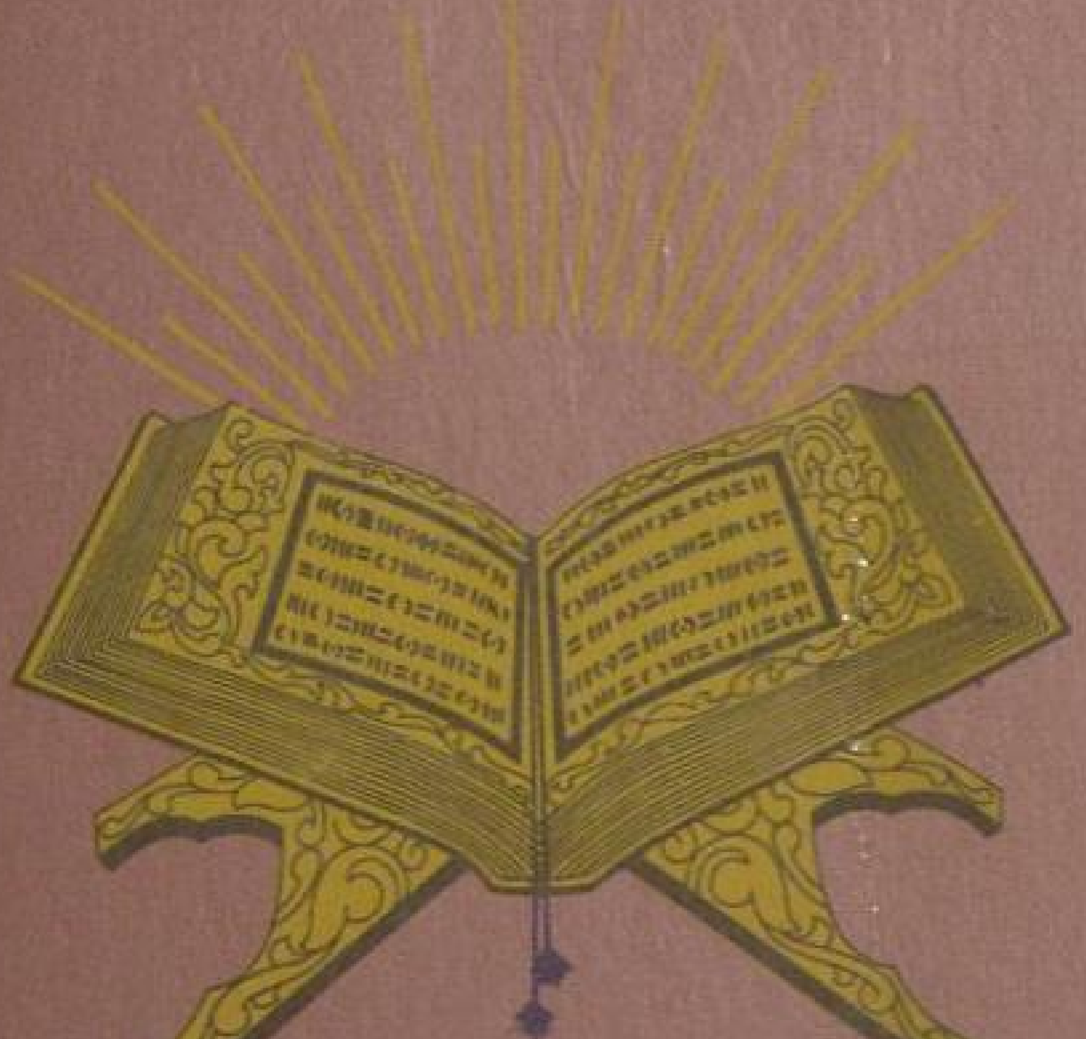

سفرنامۂ آخرت

موت اور حیات بعد الممات کے تحیر خیز احوال و
کیفیات کا جامع تذکرہ

مرتبہ

طالب ہاشمی

شعاعِ ادب
چوک انارکلی مسلم مسجد
لاہور

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 049477
★ MAILSI ★

ناشر ———— محمد حلیم
تزئین و اہتمام ———— یوسف برادرز ملتان
پرنٹر ———— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت ———— /۳۰ روپے

TECHNICAL SUPP
CHUGHT
PUBLIC LIBRA

ملنے کا پتہ
یوسف برادرز
پاک گیٹ
ملتان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
ارشادِ باری تعالیٰ۔	۱۰
فرمودۂ عطّار۔	۱۱
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے۔	۱۲
کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ ط	۱۳
اللہ کے سوا موت سے کسی کو مفر نہیں۔	۱۴
موت کے سامنے مخلوق کی بے بسی۔	۱۵
موت کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے۔	۲۰
موت کیا ہے۔	۲۲
دو موتیں اور دو حیاتیں	۲۴
انسان ہر روز مرتا اور ہر روز زندہ ہوتا ہے۔	۲۵

موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے۔ ۲۷
مالی اور بدنی تکلیف کے سبب موت کی تمنا کرنا منع ہے۔ ۳۱
خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ ۳۲
فتنۂ دین کے اندیشہ سے موت کی تمنّا کرنا جائز ہے۔ ۳۳
طاعتِ خداوندی میں طولِ حیات کی فضیلت ۳۵
قبروں کی زیارت سے عبرت حاصل کرو۔ ۳۶
اللہ سے ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہیئے۔ ۳۷
رُوح کیا ہے؟ ۳۸
رُوح کا بدن سے دو قسم کا تعلق ہے۔ ۴۱
کیا روح اور نفس ایک شئے ہے یا دو؟ ۴۲
حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا نظریۂ رُوح۔ ۴۵
ملک الموت اور اس کے معاونین۔ ۴۸
ملک الموت کا حلیہ۔ ۵۰
سکراتِ موت۔ ۵۲
مومن موت کا خوشدلی سے استقبال کرتا ہے۔ ۵۷
مستریح اور مستراح منہ۔ ۵۹
مرتے وقت انسان کو اُسکے اچھے بُرے اعمال کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ ۶۱

مومن اور کافر کی موت میں فرق۔	۶۲
(واقعات بعد الموت)	۶۹
عالمِ برزخ یا آخرت کی پہلی منزل	
برزخ کی حقیقت۔	۷۰
قبر برزخ کا دوسرا نام ہے۔	۷۲
"عالمِ برزخ" عالمِ آخرت سے الگ نہیں ہے۔	۷۵
حیاتِ انسانی کے تین دَور۔	۷۷
سوال و جواب (فتنۂ قبر)	۷۸
ضغطۂ قبر یا قبر کا دباؤ۔	۸۷
کن کن لوگوں سے قبر میں سوال و جواب نہ ہوگا۔	۹۱
برزخ (قبر) کا عذاب و راحت۔	۹۵
برزخ میں روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔	۱۰۶
عذابِ برزخ مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔	۱۱۲
عذابِ برزخ کا منقطع ہونا	۱۱۴
روحیں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں۔	۱۱۵
مشاہداتِ برزخ	۱۱۷
(عذاب قبر کا آنکھوں دیکھا حال)	
شب معراج کے مشاہدات	۱۱۹
مجاہدین فی سبیل اللہ	۱۱۹

علماءِ سُوء	۱۲۰
چغلخور اور عیب چیں	۱۲۰
غیبت کرنے والے	۱۲۰
سود خور	۱۲۱
زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے	۱۲۱
زیب و زینت کر کے باہر نکلنے والی عورتیں	۱۲۱
حرام خور	۱۲۲
یتیموں کا مال کھانے والے	۱۲۲
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک خواب۔	۱۲۳
مشاہدۂ برزخ کے بارے میں کچھ اور روایات۔	۱۲۷
تذکرۂ غوثیہ کی ایک عجیب حکایت	۱۳۲
میّت کے لئے ایصالِ ثواب	۱۳۷
صدقہ و خیرات	۱۳۸
میّت کی طرف سے حج کرنا	۱۳۹
میّت کی طرف سے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا	۱۳۹
غلام آزاد کرنا	۱۴۰
تلاوتِ قرآن	۱۴۰
مرنے والوں کے لئے دعائے مغفرت	۱۴۱
وہ اعمال جن کا ثواب میّت کو ہمیشہ پہنچتا رہتا ہے۔	۱۴۳

وہ اعمال جو آخرت میں عذاب کا موجب ہیں۔ ۱۴۴

وہ اعمال جو آخرت میں کام آئیں گے۔ ۱۴۶

آخرت کی دوسری منزل ۱۴۹

قیامت یا یوم الدین

قیامت کا دن ۱۵۰

قیامت کے چند قرآنی نام ۱۵۲

قیامت کے چند اوصاف جو قرآن میں بیان کیے گئے۔ ۱۵۳

قیامت کی تین قسمیں ۱۵۵

قیامت کب آئے گی؟ ۱۵۷

آثارِ قیامت ۱۶۱

دھواں ۱۶۷

دجّال ۱۶۸

دابّۃ الارض ۱۷۰

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ۱۷۲

عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کا نزول ۱۷۲

یاجوج ماجوج کا خروج ۱۷۵

تین بڑے خسف ۱۷۸

امام مہدی کا ظہور ۱۷۹

قیامتِ کبریٰ کا ظہور ۱۸۱

صورِ قیامت	۱۸۲
صورِ قیامت کی حقیقت	۱۸۴
بعث	۱۸۶
حشرِ جسمانی	۱۹۰
حساب	۱۹۲
نامۂ اعمال	۱۹۳
اعضاء کی شہادت	۱۹۵
میزانِ عدل	۱۹۵
حوضِ کوثر	۱۹۶
پل صراط	۱۹۷
جنّت و دوزخ	۱۹۸
اعراف	۲۰۳
صحابہؓ کرام کا خوفِ آخرت	۲۰۵
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۲۰۶
حضرت عمر فاروقؓ	۲۱۰
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	۲۱۹
حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۲۲۰
حضرت سلمان فارسیؓ	۲۲۳
حضرت زبیر بن العوامؓ	۲۲۵

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رض ۲۲۶
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض ۲۲۹
حضرت ابو ہریرہ رض ۲۳۱
حضرت مالک بن ثعلبہ رض ۲۳۴
کتابیات ۲۳۶

ارشادِ باری تعالٰے

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ط (قصص۔ رکوع۔ ۸)

"اور جو تجھ کو اللہ نے دیا اس سے آخرت کا گھر پیدا کر اور دنیا سے اپنا حصّہ نہ بھول اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی (اللہ کے بندوں پر) احسان کر اور (اس دولت سے) زمین میں خرابی نہ چاہ۔"

باسمہٖ سبحانہٗ

فرمودۂ عطّار

اے پسر از آخرت غافل مباش ـــــ با متاعِ ایں جہاں خوشدل مباش

(اے بیٹے عاقبت سے بے خبر اور غافل مت رہ اور اس دنیا کی دولت اور عیش میں دل مت لگا۔)

مردِ راہ در بندِ قصر و باغ نیست ـــــ در دلِ اُو غیرِ درد و داغ نیست

(طالبانِ حق (خدا کی راہ کے مرد) محلوں اور باغوں کی قید و فکر میں نہیں ہیں۔ ان کے دل میں خدا اور رسول کی محبت کے درد اور داغ کے سوا کچھ نہیں ہے)

گر عمارت را بری بر آسماں ـــــ عاقبت زیرِ زمیں گردی نہاں

(بالفرض اگر تو نے سربفلک عمارت بنا بھی لی تو بھی تجھے بالآخر ایک دن زمین میں دفن ہونا ہے۔)

(شیخ فرید الدین عطّار رح)

مراقبۂ موت کے چند اشعار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

سب کے سب ہیں رہ روِ کوئے فنا　　جا رہا ہے ہر کوئی سوئے فنا
بہہ رہی ہے ہر طرف جوئے فنا　　آتی ہے ہر چیز سے بوئے فنا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

چند روزہ ہے یہ دنیا کی بہار　　دل لگا اس سے نہ غافل زینہار
عمر اپنی یوں نہ غفلت میں گذار　　ہوشیار اے محوِ غفلت ہوشیار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور　　جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
عمر یہ اک دن گذرنی ہے ضرور　　قبر میں میّت اترنی ہے ضرور

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ)

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ

اونچے اونچے مکاں تھے جن کے بڑے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے
آج دیکھا تو خار بالکل تھے

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اس جا ہے آشیانۂ بوم

عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے

گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے
استخواں تک بھی اُن خاک ہوئے

ذاتِ معبود جاودانی ہے
باقی جو کچھ کہ ہے وہ فانی ہے

صبحدم طائرانِ خوش الحان
پڑھتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ

(کم ٹو موت - خواجہ حسن نظامی)

(فرمودۂ اکبر الٰہ آبادی)

جن کے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
ان کی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں

کان نے ہوش کو اُلجھایا ہے افسانوں میں
آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں

یہ جو ہنگامۂ تزئینِ عیش و کامرانی ہے
تماشا غافلوں کا آج ہے کل اک کہانی ہے

اللہ کے سوا موت سے کسی کو مفر نہیں

قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

(پ۲۷ - ع۱۱)

"تمام مخلوقات فنا ہو جانے والی ہے اور باقی رہنے کے لئے صرف ایک تمہارے پروردگار کی بلند و برتر ذات ہے۔"

گویا اس دنیا میں جو پیدا ہوا ہے اس کو ایک نہ ایک دن ضرور مرنا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ (پ - ع) انسان اور حیوان تو ایک طرف، ایک دن سب ملائکہ، شیاطین، جنّات، عرش و فرش لوح و قلم غرض کائناتِ ارضی و سماوی کا ذرّہ ذرّہ فنا کے گھاٹ اُتر جائے گا اور صرف ایک ذاتِ الٰہی باقی رہ جائے گی۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ہر انسان ماننے پر مجبور ہے لیکن موت کے بارے میں ایک مسلمان اور ایک کافر کے زاویۂ نگاہ میں اختلاف ہے۔ مسلمان کے لئے تو موت سفرِ حیات کی پہلی منزل ہے جس کی انتہا یومِ قیامت تک ہے اس کے بعد ابدی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔ لیکن کافر کے نزدیک موت، حیاتِ انسانی کی آخری منزل ہے۔ برزخ، قیامت یا یومِ آخرت اس کے نزدیک کوئی چیز نہیں اور نہ وہ ذاتِ الٰہی پر اور اس کی بقاء پر یقین رکھتا

ہے۔ البتہ بعض کفّار مسئلۂ تناسخ کے قائل ہیں یعنی موت کے بعد انسان قالب بدل کر بار بار پیدا ہوتا رہے گا۔ اسی طرح بعض کفّار ارواح کے قائل ہیں لیکن ان کا نظریۂ رُوح محض توہّم پرستی ہے۔ ان میں سے کچھ یہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد ارواح بھوت پریت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور کچھ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان یا حیوان کے جسم میں حلول کر جاتی ہیں۔ اسلام انسان کو موت کا ایک بالکل جداگانہ تصوّر دیتا ہے۔ اس کی تشریح آگے آئے گی۔

موت کے سامنے مخلوق کی بے بسی

انسان دعوے تو بڑے بڑے باندھتا ہے اور فی الحقیقت اس نے محیّر العقول کارنامے سر انجام دیئے ہیں لیکن موت کے سامنے وہ بالکل لاچار اور بے بس ہے۔ اور سچّی بات تو یہ ہے کہ انسان نے اگر شکست مانی ہے تو صرف موت سے ——— موت آتی ہے تو بڑے بڑے ڈاکٹر اور طبیب منہ تکتے رہ جاتے ہیں اور سوائے اس کے ان سے اور کچھ بن نہیں پڑتا کہ مریض کی موت کا اعلان کر دیں یا اس کے مردہ ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کر دیں۔ موت ماں اور باپ کے سامنے ان کے لختِ جگر کو، بیوی کے سامنے خاوند کو اور خاوند کے سامنے بیوی کو، بہن بھائی کے سامنے بھائی بہن کو، اولاد کے سامنے ماں باپ کو غرض اسی طرح پیاروں

سے پیاروں کو آناً فاناً چھین کر لے جاتی ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ کہنا کہ فلاں ڈاکٹر یا طبیب کے علاج سے موت ٹل گئی بالکل خلافِ حقیقت ہے۔ موت اپنے مقررہ وقت سے ہرگز ہرگز نہیں ٹل سکتی۔ مریض اگر کسی کے علاج سے شفایاب ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اس کی موت کا وقت ہی نہیں آیا تھا۔ جب وقتِ مقررہ آپہنچے تو پھر نہ معالج کی کوئی تدبیر کام کرتی ہے اور نہ کوئی دوا اثر کرتی ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ علاج معالجے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اور موت آجاتی ہے۔ سوتے سوتے یا عین بیداری اور تندرستی کی حالت میں حرکتِ قلب کا یکایک بند ہو جانا۔ کسی حادثے کا شکار ہو جانا۔ کسی کے ہاتھوں قتل ہو جانا۔ کسی درندے کا لقمہ بن جانا کسی سانپ یا دوسرے زہریلے جانور کے ڈسنے سے ہلاک ہو جانا اسی قسم کی موت ہے۔ غرض موت وحیات صرف اللہ تعالٰے کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس معاملے میں انسان لاچار محض ہے۔

خواجہ فرید الدین عطّار نے "تذکرۃ الاولیاء" میں مشہور تابعی حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے بارے میں ایک عجیب حکایت درج کی ہے جس سے موت کے سامنے انسان کی بے بسی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن بصریؒ اوائل عمر میں جواہرات کی تجارت کرتے تھے اور بہت امیر کبیر تھے۔ ایک دفعہ وہ کسی ملک میں گئے۔ ایک دن وہاں کے

وزیر اعظم سے ملاقات ہو گئی۔ اثنائے گفتگو میں اس نے کہا کہ آج ہم کو اپنے بادشاہ کے ہمراہ ایک خاص جگہ جانا ہے آپ بھی ہمارے ساتھ چلئے۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ ایک گھوڑا حسنؒ کے واسطے لایا جائے چنانچہ گھوڑا آپ کے لئے حاضر کیا گیا۔

بادشاہ، وزیر اعظم اور حضرت حسنؒ گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک جنگل میں پہنچے۔ حضرت حسنؒ نے دیکھا کہ جنگل میں ایک جگہ نہایت پُر تکلف اور عالیشان خیمہ کھڑا ہے جس کی طنابیں ریشم اور زری کی ہیں اور میخیں سونے چاندی کی۔ اتنے میں ایک مسلّح لشکرِ جرّار نمودار ہوا جس نے اس خیمے کے چاروں طرف چکر لگایا پھر اس فوج کے جرنیلوں نے خیمہ کی طرف خطاب کر کے کچھ کہا اور پھر وہاں سے مع فوج کے چل دیئے۔

اس کے بعد چند معزز اور پُر شوکت بوڑھوں کی ایک جماعت آئی اور اس خیمے کے چاروں طرف پھری۔ پھر ان میں سے چند نے اس خیمے سے خطاب کر کے کچھ کہا اور چلے گئے۔

اس کے بعد چار سو کے قریب وزراء اور عمائدِ سلطنت اس خیمہ کی طرف آئے اور اس کے گرد چکر لگا کر کچھ کہا اور چلے گئے۔

پھر دو سو کنیزیں جن کا حسن و جمال چاند کو شرماتا تھا۔ نہایت قیمتی لباس پہنے ہوئے آئیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں زر و جواہرات سے بھرا ہوا ایک ایک طشت تھا۔ وہ بھی اس خیمے کے گرد اگرد پھریں اور پھر کچھ کہہ کر چلی گئیں۔

اس کے بعد خود بادشاہ اور وزیر اعظم گھوڑوں سے اتر کر اس خیمے کے اندر گئے اور تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر باہر آ گئے۔

خواجہ حسنؒ یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتے رہے انہوں نے خیال کیا کہ شاید اس خیمے میں کوئی عظیم شخصیت رونق افروز ہے۔ جب وزیر اعظم سے ملاقات ہوئی تو دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا تھا۔ وزیر اعظم نے جواب دیا کہ اے حسن کیا پوچھتے ہو؟ ہمارے بادشاہ کا ایک فرزند تھا۔ نہایت خوبرو اور شجاع، اتفاق سے وہ عین عالمِ شباب میں بیمار ہوا بادشاہ نے اپنے لختِ جگر کے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن بڑے بڑے حاذق اطباء اس کے علاج میں ناکام ہو گئے۔ جوں جوں دوا کی، مرض بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا۔ اے حسن وہ نوجوان شہزادہ اس خیمے میں دفن ہے۔ ہر سال ایک دن لوگ اس کی قبر پر اسی طریقے سے حاضر ہوتے ہیں جو تم نے دیکھا ہے۔

اس دن سب سے پہلے بادشاہ کی عظیم الشان فوج خیمے کے گرد پھرتی ہے اور پھر کہتی ہے کہ اے ہمارے شہزادے وہ معاملہ جو تجھے پیش آیا ہے اس کو اگر جنگ و جدل سے روکا جا سکتا ہے تو ہم سب تجھ پر اپنی جانیں نثار کرنے کو تیار ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایسے کے قبضے میں آ گیا ہے جس سے جنگ و جدال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یہ کہہ کر وہ فوج عالمِ یاس میں سر جھکا کر پلٹ جاتی ہے۔

اس کے بعد تم نے جو معزز اور پُرشوکت بوڑھے دیکھے وہ علماء و صلحاء

کی جماعت ہے وہ آئے اور خیمے کے قریب کھڑے ہو کر انہوں نے کہا کہ اے شہزادے اگر ہم شفاعت اور تضرّع و زاری سے تیری بلا دفع کر سکتے تو آج ہم شفاعت اور تضرّع و زاری میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تو اس کے قبضے میں ہے جو اپنا حکم جاری کرنے کے بعد پھر کسی کی نہیں سنتا۔ اے شہزادے ہم بے بس ہیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی واپس چلے جاتے ہیں۔

اس کے بعد امراء و وزراء اور عمائد سلطنت کا جو گروہ تم نے دیکھا وہ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شہزادے اگر ہم اپنی حکمت و تدبّر سے تجھے رہائی دلا سکتے تو آج ہم اپنے ذہن و دماغ کی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے اور اپنی ہر تدبیر کام میں لاتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایسے کے پاس پہنچ چکا ہے جس کے قبضۂ قدرت سے رہائی دلانا کسی کے وہم و قیاس میں بھی نہیں آسکتا۔ اے شہزادے ہم مجبور ہیں یہ کہہ کر واپس آجاتے ہیں۔

اس کے بعد دو سو کنیزیں جن کا حسن و جمال اور لباس و سامان تم نے دیکھا خیمے کے گرد چکر لگاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اے شہزادے اگر تو حسن و جمال اور زر و جواہر پیش کرنے سے مل سکتا تو آج ہم سب اپنے آپ کو اور اس زر و جواہر کو تجھ پر نثار کر دیتیں اور تجھ کو حاصل کر لیتیں۔ مگر اے شہزادے تجھ کو ایسے زبردست نے بلا لیا ہے جس کو نہ حسن و جمال کی حاجت ہے اور نہ زر و جواہر کی۔ ہم مجبور ہیں۔ یہ کہہ کر چلی جاتی ہیں۔

سب سے آخر میں بادشاہ میرے ساتھ اس خیمے میں جاتا ہے اور قبر

کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے فرزند! اے جانِ پدر! آج تیرے باپ نے جو پروردگار کا ایک ناچیز بندہ ہے اس نے اپنی تمام قوتیں پیش کیں۔ اے لختِ جگر تجھے چھڑانے کے لئے ایک لشکرِ جرار لایا۔ اے نورِ بصر تیری رہائی کے لئے سلطنت کے سب سے بڑے اطباء حکماء، وزراء اور مدبرین کو لایا۔ اے فرزند تیرے لئے مہ جبیں کنیزیں اور بیش بہا زر و جواہر لایا اگر ان تدبیروں سے تو مجھے مل سکتا تو میں یہ سب کچھ تجھ پر نثار کر دیتا۔ تجھے ساتھ لے کر چلتا اور اس شہ نشین پر بٹھاتا جو تیرے بغیر سونی پڑی ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تو اُس مقتدر اور زبردست کے قبضے میں ہے کہ جس سے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ اے فرزند میں بالکل بے بس اور لاچار ہوں۔ اب اگلے برس تک کے لئے تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ۔

جب وزیر اعظم نے اپنی تقریر ختم کی تو خواجہ حسن بصریؒ سکتے میں آگئے۔ ہوش میں آئے تو ان کے دل کی دنیا یکسر بدل چکی تھی۔ اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹا دی اور ہمہ تن دین کی خدمت میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ سرتاجِ اولیاء و علماء مشہور ہوئے۔

موت کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا سامنا ہر ذی نفس کو ایک دن ضرور کرنا ہے اس کا نہ کوئی علاج ہے اور نہ اس سے مفر کی کوئی صورت۔

ہاں اس کا علاج اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ انسان موت کو ہر وقت یاد رکھے اور اس کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ اسی میں انسان کی بہتری اور خیریت ہے کیونکہ جو لوگ موت کو بھلا دیتے ہیں وہ ہر وقت دنیا جہان کی برائیاں سمیٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا اے عبداللہ خبردار ہو جاؤ اور دیکھو دُنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر رہتا ہے۔ نہیں بلکہ جیسے کوئی مسافر رستہ چلتا ہوا ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لذتوں کو توڑنے والی یعنی موت کا زیادہ ذکر کیا کرو۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ کسی نے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا کہ مومنین میں کون شخص سب سے عاقل ہے۔ فرمایا جو ان میں سے موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے اور موت کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کے لئے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہیں وہ سب سے عقلمند ہیں۔ (ابن ماجہ)

حضرت ربیع بن انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنے اور آخرت کی رغبت دلانے میں موت کافی ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)

اسی طرح موت کو یاد رکھنے کی تاکید میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں بعض علماء ربانی کہتے ہیں کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے۔ اس کو تین باتیں نصیب ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کو توبہ کی توفیق جلد حاصل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اس کا دل قانع رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کو عبادت میں خوب لذت حاصل ہوتی ہے اور جو موت کو فراموش کر دیتا ہے وہ تین باتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کو جلد توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور وہ اس میں آج کل کرتا رہتا ہے۔ دوسرے قناعت کو ترک کر دیتا ہے۔ تیسرے عبادت میں سستی کرنے لگتا ہے۔

موت کیا ہے؟

علمائے ربانی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں موت کی جو تشریح کی ہے وہ یہ ہے کہ موت نہ عدم محض ہے اور نہ فناء محض بلکہ جسم اور روح کی مفارقت یا جسم سے رُوح کے تدبیری تعلق کے یکسر منقطع ہونے کا نام موت ہے۔ رُوح جسم سے نکل کر خدا کی طرف لوٹ جاتی ہے یعنی جسم میں جہاں سے آکر داخل ہوئی تھی وہیں واپس چلی جاتی ہے اور جسدِ بے رُوح کے اجزاء کچھ مدت میں منتشر ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں متعدد جگہ موت کو "خدا کی طرف بازگشت" یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ، (۱۹)

(ہم سب اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے)

سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ - (ع-۱)

(بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے ملنا ہی ہے پھر تم اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے تو وہ تم کو تمہارے کرتوت بتائے گا)

سورۂ سجدہ میں ہے:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ، (ع-۱)

(کہہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم کو وفات دیگا پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

سورۂ یونس میں ارشاد ہوا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (ع-۳)

(اے انسانو تمہاری بغاوت کا نتیجہ تمہیں پر ہے، دنیا

کی زندگی سے فائدہ اٹھا لو! پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تو ہم تم کو تمہارے اعمال جتائیں گے)

اسی طرح اور بھی متعدد آیات میں موت کو "خدا کی طرف بازگشت" کہا گیا ہے۔ گویا موت اگر ایک زندگی (حیاتِ دنیاوی) کا خاتمہ ہے تو دوسری زندگی (حیاتِ برزخی) کا آغاز ہے۔ یہ محض حالت کی تبدیلی ہے اور رُوح کا ایک گھر سے دوسرے گھر کی جانب منتقل ہونا ہے۔ اسی لئے موت کے لئے انتقال کرنے کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔

دو موتیں اور دو حیاتیں

قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے لئے دو موتیں اور دو حیاتیں ہیں۔ پہلی موت وہ ہے جس میں انسان کی تخلیق نہیں ہوئی تھی اور وہ عنصر یا مادہ کی صورت میں تھا۔ پھر وہ زندہ ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوا یہ اس کی پہلی حیات یا زندگی ہے۔ پھر موت آئے گی اور جسم اور رُوح ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ جسم اپنی اگلی مادّی صورت میں تبدیل ہو جائے گا اور رُوح خدا کی طرف لوٹ جائے گی یہ دوسری موت ہے پھر خدا انسان کی رُوح کو جسم عطا کر کے زندہ کرے گا یہ اس کی دوسری زندگی یا حیات ہے جس کے بعد پھر موت نہیں گویا دنیاوی زندگی کا خاتمہ انسان کی دوسری موت ہے۔ اور اخروی زندگی کا آغاز ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؀

(کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم پہلے مردہ تھے پھر تم کو اس نے زندہ کیا پھر تم کو مار دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔)

سورۂ مومن میں دوزخیوں کی زبان سے کہلایا گیا ہے:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ (ع-۲)

(اے ہمارے رب تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا۔ ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے)

انسان ہر روز مرتا اور ہر روز زندہ ہوتا ہے

ایک موت تو وہ ہے جس کا ایک خاص وقت مقرر ہے اور جو حیاتِ دنیاوی کا خاتمہ کر دے گی۔ لیکن اس کے علاوہ ایک عارضی موت بھی ہے جس سے ہر انسان کو ہر روز سابقہ پڑتا ہے۔ یہ عارضی موت ہے "نیند"۔ قرآن حکیم میں کئی جگہ نیند کو موت سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

مثلاً سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۔

(اور وہی ہے جو تم کو رات میں وفات دیتا ہے اور جانتا ہے جو تم نے دن میں کمایا پھر تم کو دن میں جلاتا ہے تاکہ مقررہ وقت پورا کیا جائے)

سورۂ زُمر میں اس مضمون کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَاج فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ (ع-۵)

(وہ اللہ ہی ہے جو انفاس کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور جو نہیں مرے ہیں اُن کو اُن کی نیند میں (وفات دیتا ہے) تو جس پر موت کا حکم اس نے جاری کیا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری رُوح کو (جس پر موت کا حکم نہیں یعنی نیند والی کو) ایک مدت مقررہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے بیشک اس میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں)

اوپر کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے مقررہ وقت کی موت اور اس موت میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر موت میں روح کا جسم سے ہر قسم کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے لیکن مؤخر الذکر (یعنی نیند) میں روح کا تعلق اس حد تک جسم سے قائم رہتا ہے کہ جسم کی مادی نشو و نما ہوتی رہے یعنی دل دھڑکتا رہے۔ جگر دماغ خون وغیرہ اپنا اپنا کام کرتے رہیں البتہ ادراک اور احساس کا تعلق ختم ہوجاتا ہے اور انسان دنیا

ومافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ جب انسان خواب سے بیدار ہوتا ہے تو وہ گویا دوبارہ زندہ ہوتا ہے۔ بیداری نام ہے روح کے جسم سے ادراک اور احساس کے تعلق کا بحال ہونا۔ بعض علماء نے نفس اور رُوح کو دو الگ چیزیں قرار دیا ہے کچھ دوسرے کہتے ہیں کہ جسمِ انسانی میں دو رُوحیں ہیں ایک رُوحِ حیوانی اور ایک روحِ انسانی۔ اوّل الذکر علماء کا مسلک یہ ہے کہ نیند کی حالت میں نفس کا تعلق جسم سے قائم رہتا ہے اور رُوح جہاں چاہے پھرتی رہتی ہے۔ مؤخر الذکر کا خیال یہ ہے کہ رُوحِ حیوانی نیند کی حالت میں جسم کے اندر رہتی ہے اور روحِ انسانی باہر نکل جاتی ہے جب دونوں روحیں جسم سے نکل جاتی ہیں تو انسان کی حقیقی موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن ان دونوں عقائد کے برعکس اکثر دوسرے علماء کا مسلک یہ ہے کہ روح اور نفس ایک ہی شے ہے البتہ اس کا جسم سے دو طرح کا تعلق ہے۔ ایک تدبیر و تغذیہ کا اور ایک ادراک و احساس کا۔ نیند کی حالت میں پہلا تعلق قائم رہتا ہے اور دوسرا عارضی طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔ جب یہ دوبارہ قائم ہوتا ہے تو انسان بیدار ہو جاتا ہے۔ رُوح اور نفس کی بحث آگے آئے گی۔

موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے

بعض اوقات سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کی موت بے وقت ہوئی۔ اگر کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والا اپنی طبعی (اوسط) عمر کو نہیں

پہنچا تو ایک حد تک سمجھ میں آنے والی بات ہے اور اگر کہنے والے کا مطلب یہ ہو کہ اس شخص کی موت اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہوئی تو یہ بالکل بے اصل بات ہوگی۔ کہنے والے نے خدا پر بہتان باندھا قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویؐ کی رُو سے موت کا وقت اور جگہ مقرر کر دی گئی ہے خواہ زمین و آسمان بدل جائیں موت کا وقت اور جگہ نہیں بدل سکتی موت کو جس وقت آنا ہے وہ اس سے ایک لمحہ بھی نہ پہلے آسکتی ہے اور نہ بعد میں، جب اس کا مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ اسی طرح ہر انسان کے مرنے کی جگہ بھی مقرر ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ کسی انسان کو یہ علم نہیں کہ اس کی موت کب اور کس جگہ واقع ہوگی۔ کوئی بستر پہ جان دیتا ہے کوئی میدانِ جنگ میں۔ کسی کا آخری وقت سفر کرتے ہوئے آجاتا ہے اور کوئی آناً فاناً کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے۔ جن کی زندگی باقی ہوتی ہے وہ بموں گولیوں اور آگ کی بارش میں بھی زندہ و سلامت رہتے ہیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ نے اپنی زندگی میں بیشمار معرکے لڑے۔ شوقِ شہادت میں وہ اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے بھڑ جایا کرتے تھے اور کسی خطرے کو خاطر میں نہ لایا کرتے تھے لیکن ان کو موت آئی تو گھر میں بستر پہ۔ فرماتے تھے کہ ساری عمر یہی حسرت رہی کہ میدانِ جنگ میں شہید ہو جاؤں لیکن اللہ کو ایسا منظور نہیں تھا۔

اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ موت سے بچ کر کہیں چلا جائے یا اپنے آپ

کو ناقابلِ تسخیر قلعوں میں محفوظ کر لے تو یہ محض حماقت ہے۔ انسان خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرے موت اپنی مقررہ جگہ اور وقت پر آ کر رہے گی۔ اس مضمون کو سورۂ آل عمران میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (ع-۱۶)

اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اگر وہ گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لئے مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ خود نکل کر اپنی سونے کی جگہوں (مرنے کی جگہوں) میں چلے آتے)

اس آیت میں جنگِ اُحد میں جامِ اجل پینے والوں کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ جن کو مرنا تھا اگر وہ میدانِ جنگ کے بجائے گھروں میں بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل میں خود آ جاتے۔ بالفاظِ دیگر موت ان کو ہانک کر اپنے مرنے کی جگہ پر لے آتی۔ اس حقیقت کو ایک دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (پ۵ ع۷)

(تم دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں ضرور گرفت میں لے لے گی اگرچہ تم کیسے ہی مستحکم قلعوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ)

مولانا رومؒ نے اس مضمون کو سمجھانے کے لئے اپنی مثنوی میں ایک

دلچسپ تمثیل بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک آدمی ہانپتا کانپتا حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "اے نبی اللہ آج مجھے عزرائیل نظر پڑا اس نے مجھ پر ایسی غضب آلود نظر ڈالی کہ میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ خدا کے لئے میری مدد فرمائیے"۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا۔ "تو کیا چاہتا ہے؟" اس نے عرض کیا کہ "آپ ہوا کو حکم دیں کہ مجھے ہندوستان میں چھوڑ آئے اس دور دراز جگہ پر پہنچ کر شاید میری جان بچ جائے"۔

حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس شخص کو اسی وقت ہندوستان پہنچا دو۔

ہوا نے آپ کے حکم کی تعمیل کی لیکن جونہی اس شخص نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا ملک الموت نے اس کی رُوح قبض کر لی۔

دوسرے دن عزرائیل حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے کل فلاں شخص پر نگاہِ غضب کیوں ڈالی تھی؟ عزرائیل نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ مجھ کو حکم ہوا تھا کہ اس شخص کی جان ہندوستان میں فلاں وقت قبض کر دوں لیکن میں اس کو یہاں دیکھ کر حیران تھا حالانکہ اس کی موت میں چند ساعتیں رہ گئی تھیں اسی لئے میں نے اس پر قہر آلود نظر ڈالی تھی۔ جب وہ آپ کی مدد سے ہندوستان پہنچ گیا تو میں نے اسی وقت اس کی رُوح قبض کر لی۔

مالی اور بدنی تکلیف کے سبب موت کی تمنا کرنا منع ہے

مالی اور بدنی تکلیف کے سبب موت کی تمنا کرنے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے چنانچہ اسی باب میں کئی صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کے سبب جس میں وہ مبتلا ہو ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر اس نے تمنا کرنی ہی ہے تو اس کو چاہیے کہ کہے اے اللہ تو مجھ کو زندہ رکھ جب تک کہ میرے لئے زندگی بہتر ہو اور مجھ کو مار جبکہ میرے لئے مرنا بہتر ہو۔ (بخاری)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیکوکار ہے تو شاید وہ (پشیمان ہو کر) رضائے الٰہی کا طالب ہو (بخاریؒ)

۳۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو موت کی تمنا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم ضرور اس کی تمنا کرتے۔ (صحیحین)

۴۔ مروزی نے قاسم مولا معاویہؓ سے روایت کیا ہے کہ (ایک بار) سعدؓ بن ابی وقاص نے موت کی تمنا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سُن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تُو موت کی تمنّا نہ کر کیونکہ اگر تُو اہلِ جنّت سے ہے تو تیرے لئے زندہ رہنا ہی بہتر ہے اور اگر تو اہلِ دوزخ سے ہے تو پھر تجھ کو کیا چیز اس کی جانب جلد جانے پر آمادہ کرتی ہے۔ (شرح الصدور للسیوطی)

۵۔ حضرت امِّ فضل رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لائے اور آپؐ کے چچا حضرت عباس رضؓ بیمار تھے انہوں نے موت کی تمنّا کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اے چچا آپ موت کی تمنّا نہ کریں اگر آپ نیکوکار ہیں اور پھر آپ کو مہلت دی جائے تو آپ اپنی نیکیوں میں اضافہ کریں گے اور یہ آپ کے لئے بہتر ہوگا اور اگر آپ گنہگار ہیں اور پھر آپ کو مہلت دی جائے تو آپ اپنے گناہوں سے توبہ کریں گے اور یہ آپ کے لئے بہتر ہوگا بس آپ ہرگز موت کے لئے دعا نہ مانگیں۔ (مسند احمد حنبلؒ۔ طبرانی۔ حاکم)

خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے

چونکہ زندگی اور موت حکمِ خداوندی کے تابع ہے اس لئے اسلام خودکشی کو بدترین گناہ تصور کرتا ہے۔ جو شخص مایوس ہو کر یا کسی اور وجہ سے اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں کسی بھی طریقہ سے ختم کرتا ہے وہ بدترین گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کا یہ فعل ظاہر کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے (جو بجائے خود گناہِ عظیم ہے) اور

روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنا گلا گھونٹ کر مرجاتا ہے وہ اپنے آپ کو گلا گھونٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈالتا ہے اور جو کوئی اپنے آپ کو خنجر گھونپ کر ہلاک کرتا ہے وہ ایسا کرکے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں ڈالتا ہے۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث میں اگرچہ خودکشی کے صرف دو طریقے بیان کئے گئے ہیں لیکن شارحین حدیث کہتے ہیں کہ خودکشی خواہ کسی طریقے سے بھی کی جائے حرام ہے۔ زہر کھا کر مرنا، ڈوب کر مرنا۔ کسی اونچی جگہ سے چھلانگ لگا کر مرنا، اپنے آپ کو آگ لگا کر مرنا غرض جان بوجھ کر کسی بھی طریقے سے اپنے آپ کو ہلاک کیا جائے گناہِ کبیرہ ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ ایک سچّا مسلمان خودکشی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

فتنۂ دین کے اندیشہ سے موت کی تمنّا کرنا جائز ہے

جب لوگ دین کو مسخ کردیں اور اس میں ایسے فتنے پیدا کر دیں جن پر قابو پانا ممکن نہ ہو تو اس وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔ اس بارے میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں نیکیاں کرنے اور برائیاں چھوڑنے اور محبّت مسکینوں کی اور جب تو کسی قوم میں فتنہ کا ارادہ

کرے تو مجھ کو بلا فتنہ اپنی طرف قبض کر لے (مؤطا امام مالک)

۲۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے مگر جو کوئی اپنے عمل پر بھروسہ رکھتا ہو بس اگر تم اسلام میں چھ باتوں کا مشاہدہ کرو (یعنی ان کو کثرت سے ہوتا دیکھو) تو موت کی تمنا کرو۔ خون کا ضائع ہونا (یعنی خونریزی)۔ بچوں کی امارت (یعنی سیادت)، بیوقوفوں کی حکومت، بیع حکم (یعنی رشوت ستانی) کوتوالی کے پیادوں (یا سپاہیوں) کی کثرت ایسے قاری جو قرآن کو مزامیر ٹھہرا دیں (یعنی قرآن کو گا گا کر راگ کی صورت میں پڑھیں) (طبرانی)

ایک دوسری حدیث میں بیوقوفوں کی حکومت کے بجائے "قطع رحمی" بیان کی گئی ہے۔

۳۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کے قریب سے کوئی جنازہ گزرے گا تو دیکھنے والا کہے گا کہ کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔ (شرح الصدور للسیوطیؒ)

۴۔ ابن سعد نے حضرت ابی سلمہ بن عبدالرحمنؓ سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہؓ بیمار ہوئے تو میں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ میں نے کہا کہ الٰہی ابوہریرہؓ کو شفا دے تو انہوں نے کہا کہ تو یہ بات پھر نہ کہنا اور کہا کہ اے ابا سلمہ قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے ایک کو مرنا زر سرخ سے بھی زیادہ محبوب ہو گا اور اسے

ابا سلمہ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ آدمی قبر کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ اے میرے پروردگار کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔ (شرح الصدور للسیوطیؒ)

طاعتِ خداوندی میں طولِ حیات کی فضیلت

بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ طویل زندگی عطا کرتا ہے۔ لیکن یہ طویل زندگی ان لوگوں کے لئے صرف اسی صورت میں فائدہ مند اور بابرکت ثابت ہو سکتی ہے جب وہ طاعتِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ اگر وہ طاعتِ الٰہی سے منحرف ہو جائیں اور معصیت میں مبتلا ہو جائیں تو ان کی درازئ عمر باعثِ لعنت ہوتی ہے اور ان کو جہنم کا ایندھن بنا دیتی ہے۔ اس باب میں چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کون آدمی بہتر ہے۔ فرمایا۔ جس کی عمر دراز اور عمل اچھے ہوئے۔ اس نے پھر عرض کیا کہ پھر کون آدمی بدتر ہے فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل برے ہوئے (مسندِ احمد۔ ترمذی)

۲۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو عمر میں سب سے زیادہ اور عمل میں سب سے اچھا ہو۔ (مستدرک حاکم)

۳۔ حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب مسلمان کی عمر دراز ہو تو وہ اُس کے لئے بہتر ہے (طبرانی)

۴۔ حضرت طلحہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اس مومن سے افضل کوئی نہیں ہے جس کو اسلام میں تسبیح اور تکبیر اور تہلیل الٰہی کے لئے عمر عطا ہوئی ہو۔ (مسند احمد)

قبروں کی زیارت سے عبرت حاصل کرو

حضرت ابی سعید رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔ بیشک اس میں عبرت ہے۔ (ابنِ ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو وہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ (مسلم)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا سو خبردار ہو جاؤ تم اب ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ دل کو نرم کرتی ہے اور آنکھ کو رُلاتی ہے اور آخرت کو یاد دلاتی ہے۔ اور بیہودہ بات مت کہو۔ (مستدرک حاکم)

حضرت ابوذر رضؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو قبروں کی زیارت کر۔ اس کے سبب تو موت کو یاد کرے گا اور تو مردے کو غسل دے کیونکہ خالی جسم کے الٹنے پلٹنے میں بڑی نصیحت

ہے اور جنازہ پر نماز پڑھ شاید یہ تم کو غمگین کرے۔ بیشک غمگین اللہ کے سایہ میں ہے اور وہ ہر بھلائی کے سامنے آتا ہے۔ (مستدرک حاکم)

اللہ سے ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہیئے

اللہ تعالیٰ اعمال کی جزا و سزا ضرور دے گا لیکن اس کے ساتھ ہر مسلمان کو اس بات پر پختہ ایمان رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے بھی بڑھ کر رحیم و شفیق ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے عمل درست کرے اور جہاں تک ہو سکے نیکی کو اختیار کرے تاہم وہ خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ درجۂ عصمت انبیاء و ملائکہ ہی کو حاصل ہے۔ اسلئے انسان کو جہاں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال قبول فرمائے گا وہاں یہ گمان بھی رکھنا چاہیئے کہ وہ اس کے گناہوں سے درگذر فرمائے گا اور ان کو اپنی رحمت و شفقت سے ڈھانپ دے گا اس ایمان اور یقین کے ساتھ وہ موت کا خوشدلی سے استقبال کر سکے گا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے تین رات پہلے فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر وہ اللہ سے نیک گمان رکھتا ہو۔ (صحیحین)

محدثینؒ نے اس حدیث کی یہ تشریح کی ہے کہ "نہ مرے" کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے ساتھ حسن ظن نہ رکھنے والا مرے ہی نہیں۔ یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت اچھے

اعمال میں مشغول رہنا چاہیئے تاکہ مرتے وقت اس کو خدا سے حسنِ ظن پیدا ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ سے نیک گمان رکھنا جنّت کا مول ہے۔ غرض انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ہی اس کی رحمتِ بے پایاں پر پورا ایمان رکھنا چاہیئے۔

رُوح کیا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں (ایک دن) ویرانۂ مدینہ منوّرہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ ایک کھجور کی شاخ پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ وہاں سے یہودیوں کی ایک جماعت گذری تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمدؐ سے رُوح کی حقیقت دریافت کرو اور بعض نے کہا کہ مت دریافت کرو۔ پھر انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ اے محمدؐ رُوح کیا شے ہے۔ آپ کھجور کی شاخ سے تکیہ لگا رہے تھے تو میں نے گمان کیا کہ آپؐ پر وحی نازل ہوتی ہے آپؐ نے (اس وقت) یہ آیت پڑھی:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ (بنی اسرائیل۔ع۔۱)

(وہ پوچھتے ہیں کہ رُوح کیا ہے۔ اے پیغمبر ان سے کہہ دے کہ رُوح میرے رب کی ایک بات ہے اور تم کو اس

کے علم کا بہت کم حصّہ دیا گیا ہے)

یہودی خاموش ہو گئے۔ (صحیح بخاری)

گویا حضورؐ کے ارشادِ مبارک کے مطابق رُوح "امرِ ربّی" ہے۔ اس سے زیادہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے رُوح کی تشریح نہیں فرمائی۔

علمائے سلف میں سے اکثر نے رُوح کے بارے میں اس بناء پر سکوت اختیار کیا ہے کہ وہ اسرارِ الٰہی میں سے ایک سِرّ (بھید) ہے۔ جس کا علم انسان کو نہیں دیا گیا۔

ابنِ حاتمؒ نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ کسی نے حضرت ابن عباسؓ سے رُوح کے بارے میں دریافت کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ میرے پروردگار کا حکم ہے اور تم اس مسئلہ کو نہیں معلوم کر سکتے پس تم اس پر زیادہ مت کرو اور ویسا ہی کہو جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور جیسا کہ اپنے نبیؐ کو سکھایا ہے:

وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔

(اور نہیں دیا گیا تم کو اس کا علم مگر تھوڑا۔)

حضرت جنیدؒ نے کہا ہے کہ رُوح ایسی شے ہے جس کے علم کو حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے پسند فرمایا ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں کیا تو اس کے بندوں کو اس بارے میں زیادہ بحث

کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ ایک شے موجود ہے۔

ابن بطالؒ کا قول ہے کہ رُوح کا بھید ظاہر نہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس شے کے علم سے عاجز ہیں جس کا وہ ادراک نہیں کر سکتے اور اس طرح وہ علم کو خدا کی جانب پھیرنے پر مجبور ہوں۔

امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ حکمت اس کی یہ ہے کہ انسان پر اس کے عجز کو ظاہر کیا جائے کیونکہ جب وہ باوجود اس امر کے کہ وہ اپنے نفس کے وجود کا یقین رکھتا ہے اور پھر اس کی حقیقت سے بے خبر ہے اور اس کو نہیں جان سکتا تو وہ ادراکِ حقیقت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے بدرجۂ اولیٰ عاجز ہو گا۔ بعض علماء نے رُوح کی حقیقت سے بحث کی ہے امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس قسم کے مباحث میں سب سے صحیح قول امام الحرمینؒ کا ہے کہ رُوح ایک جسم لطیف ہے جو جسمِ کثیف سے ایسے مل رہا ہے جیسے چوبِ سبز سے پانی مل رہا ہے۔ بعض لوگوں کی طرف سے یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رُوح کی حقیقت کا علم دیا گیا تھا یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں (بسندِ روایت حضرت عبداللہ بن بریدہؓ) کہ حضورؐ کو صرف یہی بتایا گیا تھا کہ روح "امر ربّی" ہے۔ بعض دوسروں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو رُوح کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا اور آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ اس سے امت کو آگاہ نہ فرمائیں۔ امام

سیوطیؒ کہتے ہیں کہ یہ اسی قسم کا اختلاف ہے جیسا کہ علمِ قیامت کے بارے میں ہے۔

رُوح کا بدن سے دو قسم کا تعلق ہے

قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان رُوح و بدن کا مرکب ہے۔ اس مرکب کا جزوِ اعظم رُوح یا جان ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں :۔

"جانِ آدمی کہ در حقیقت آدمی عبارت از انست"

(در حقیقت آدمی اپنی جان سے عبارت ہے یا اپنی جان کی وجہ سے آدمی کہلاتا ہے)

پھر اس قول کی تشریح اس طرح کرتے ہیں :۔

"تفصیلِ ایں اجمال آنکہ آدمی مرکّب از دو چیز ست، جان و بدن، جزوِ اعظم جانست کہ تبدّل و تغیّر دراں راہ نمی یابد و بدن بمنزلہ لباس است کہ اختلافِ بسیار در وے راہ می یابد۔"

(اس اختصار کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی دو چیزوں کا مرکّب ہے، جان اور بدن، اس مرکب کا جزوِ اعظم جان (رُوح) ہے کہ اس میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں ہوتا اور بدن اس کے لباس کی طرح ہے اور اس کے بارے میں کئی اختلافات ہیں)

علمائے ربّانی کہتے ہیں کہ رُوح کا بدن سے دو قسم کا تعلق ہے ایک تعلق دنیوی دوسرا اُخروی۔ دنیوی تعلق کی دو قسمیں ہیں (ا) بیداری کی حالت میں (ب) نیند کی حالت میں۔ اسی طرح اخروی تعلق کی بھی دو قسمیں ہیں (ا) برزخی (یعنی موت اور قیامت کے درمیانی زمانہ کا تعلق) (ب) بعثت یا یومِ قیامت کا تعلق۔

کیا رُوح اور نفس ایک شے ہے یا دو

جمہور علمائے اسلام کا قول ہے کہ رُوح اور نفس ایک ہی شے ہے اور جان بھی رُوح یا نفس ہی کو کہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں متعدد جگہ رُوح کو نفس کہہ کر پکارا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ فجر میں ارشاد ہوتا ہے:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ج (ع-۱)

(اے مطمئن رُوح! تو اپنے رب سے خوش اور تیرا رب تجھ سے خوش۔ تو اپنے رب کے پاس واپس چلی جا۔)

سورۂ یونس میں فرمایا گیا ہے:

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ، (ع-۳)

(وہاں ہر جان جانچ لے گی جو اس نے پہلے بھیجا ہے اور وہ سب اپنے حقیقی مالک کی طرف لوٹا دیئے جائینگے)

امام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی شرح الصدور میں یہی مسلک اختیار کیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محاورہ عرب میں بولتے ہیں فاضت نفسہ بمعنی ماتت وخرجت نفسہ یعنی "وہ مرگیا اور اس کی جان نکل گئی"۔

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ "حیات الاموات" میں لکھتے ہیں کہ "موت حقیقتہً صفتِ بدن ہے نہ وصفِ رُوح۔ پھر بھی مجازاً رُوح مفارق عن البدن پر بھی اس (موت) کا اطلاق آتا ہے"۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی رُوح اور نفس کو ایک ہی شئے مانتے ہیں چنانچہ وہ سیرۃ النبیؐ جلد چہارم میں نیند سے موت کی مشابہت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "رُوح کو اپنے جسم سے دو طرح کا تعلق ہے۔ ایک ادراک و احساس کا، اور دوسرے تدبیر و تغذیہ کا۔ نیند وہ عالم ہے جس میں ہمارے تمام آلاتِ ادراک و احساس اس دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے گرد و پیش کی مادّی دنیا سے یکسر بیگانہ بن جاتے ہیں، تاہم ہمارے نفس یا رُوح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے اور وہ اس حالت میں بھی جسم کی مادّی زندگی نشو و نما اور بقا کی تدبیروں اور دل و دماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور خون کے دوران میں مصروف رہتی ہے، اسی کا نام رُوح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے۔ اب نیند اور موت میں فرق ہے تو یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے۔ اس لئے جسم باقی

اور زندہ رہتا ہے لیکن موت کی حالت میں جسم کا رُوح سے تدبیری تعلق بھی یکسر منقطع ہو جاتا ہے اس لئے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں۔"

کچھ دوسرے علماء کا مسلک یہ ہے کہ رُوح جو قبض کی جاتی ہے وہ نفس سے الگ شئے ہے۔ عالمِ خواب میں نفس جسم سے نکل جاتا ہے اور سیر کرتا پھرتا ہے۔ البتہ رُوح جسم کے اندر رہتی ہے جسکے سبب انسان زندہ رہتا ہے۔ جب اللہ تعالےٰ نفس کو جسم کی جانب لوٹنے کا حکم دیتا ہے تو وہ لوٹتا ہے اور اس کے لوٹنے کے ساتھ جسم کے تمام اعضاء بیدار ہو جاتے ہیں۔ جب انسان کی موت کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ نفس اور رُوح دونوں کو ایک دم جسم سے قبض کر لیتا ہے۔

کچھ علماء کا قول ہے کہ نفس، خلقِ انسان ہی جسمِ مجسّم ہے اور رُوح ایسے ہے جیسے پانی جاری۔

امام سیوطیؒ شرح الصدور میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے وہب بن منبہؓ سے روایت کیا ہے کہ انسان کا نفس بھی نفسِ بہائم کی طرح ہے جو کہ خواہش کرتا ہے اور شر کی جانب بلاتا ہے اور اس کا ٹھکانا پیٹ میں ہے اور انسان کو جو فضیلت دی گئی ہے رُوح کے سبب دی گئی ہے اور اس کا مسکن دماغ میں ہے سو اسی کے سبب سے انسان شرماتا ہے اور وہی بھلائی کی جانب بلاتی اور اس کا حکم کرتی ہے۔ اگر انسان کا دل مومن ہو تو وہ رُوح کی اطاعت کرتا ہے

اور اگر وہ فاجر ہو تو وہ نفس کی اطاعت اور رُوح کی نافرمانی کرتا ہے۔

حجتہ الاسلام امام غزالیؒ کا نظریۂ رُوح

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے "کیمیائے سعادت" میں موت کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"انسان میں دو روحیں ہیں ایک روحِ حیوانی اور دوسری روحِ انسانی۔ رُوحِ حیوانی وہ رُوح ہے جو ہمارے اعضاء میں رواں دواں رہتی ہے اور جس کے بند ہو جانے سے ہم کہتے ہیں کہ موت آگئی۔ دوسری رُوح یعنی رُوح انسانی ہر قسم کے تغیّر و تبدّل سے بالاتر ہے وہ کبھی نہیں ٹھہرتی اور نہ مرتی ہے اس کا تعلق خاص ذاتِ الٰہی سے ہے یہی رُوح ہے جو صنائع حق تعالیٰ کا ادراک کرتی ہے۔ رُوحِ حیوانی حیوانات کی جنس سے ہے اور رُوحِ انسانی ملائکہ کی جنس سے ہے۔

روحِ حیوانی کا چشمہ دل ہے اور یہ رُوح خلطوں کے بخارِ لطیف سے مرکب ہے اور خلط چار ہیں۔ خون[۱]، بلغم[۲]، صفرا[۳] سودا[۴] اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں۔ آگ[۱]، پانی[۲]، خاک[۳] اور ہوا[۴] اور ان کے مزاج کا اختلاف اور اعتدال گرمی سردی تری خشکی کی کمی زیادتی سے ہوتا ہے اور علم طب سے یہی غرض ہے کہ ان چاروں طبائع کے اعتدال کا رُوح میں یہاں تک

لحاظ رکھے کہ یہ رُوحِ حیوانی، اس رُوح کی سواری کے لائق ہو جائے جسکو رُوحِ انسانی کہتے ہیں۔ رُوحِ حیوانی تو ہوائے لطیف اور بخار پختہ وصاف کے مانند ایک جسم ہے لیکن رُوحِ انسانی جسم نہیں ہے کیونکہ وہ تقسیم نہیں ہو سکتی اور حق تعالیٰ کی معرفت اس میں سماتی ہے اور جس طرح حق تعالیٰ ایک ہے اور قسمت پذیر نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی معرفت بھی ایک ہے اور قسمت پذیر نہیں ہے تو معرفت کسی قسمت پذیر جسم میں نہیں سماتی بلکہ اسی چیز میں سماتی ہے جو قسمت پذیر نہیں ہے۔ فرض کرو کہ انسان میں بتی، لَو اور روشنی تینوں چیزیں داخل ہیں تو بتی کی مثال قالب کی ہے اور چراغ کی لَو رُوحِ حیوانی کے مانند ہے اور روشنی کی مثال رُوحِ انسانی کی ہے۔ اور جس طرح چراغ کی روشنی چراغ سے بہت لطیف ہوتی ہے اور روشنی کی طرف گویا اشارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح روحِ انسانی بھی روحِ حیوانی کی نسبت گویا لطیف ہے اور اس کی طرف بھی اشارہ نہیں ہو سکتا۔ اور رُوحِ انسانی، روحِ حیوانی کے تابع نہیں ہے، بلکہ روحِ انسانی اصل ہے اور روحِ حیوانی کے زائل ہونے سے یہ باطل نہیں ہوتی جب رُوحِ حیوانی کا مزاج زائل ہو جاتا ہے تو قالب مردہ ہو جاتا ہے مگر روحِ انسانی برقرار رہتی ہے ہاں اس وقت یہ

بے سواری اور بے ہتھیار ہو جاتی ہے۔ سواری تباہ ہونے سے سوار نیست و نابود نہیں ہو جاتا نہتا ہو جاتا ہے۔ یہ ہتھیار اس سوار کو اس لئے مرحمت ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت اور عنقائے معرفتِ الٰہی کو شکار کرے۔ اگر شکار کر چکا ہے تو ہتھیار کا ضائع ہو جانا اس کے حق میں بہتر ہے۔ اگر شکار ہاتھ آنے سے پہلے ہی ہتھیار ضائع ہو جائے تو شکاری کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے اور بیحد مصیبت اور دُکھ اٹھاتا ہے۔ یہی حسرت والم عذابِ قبر ہے۔ انسان کی جان کی حقیقت اپنی ذات سے قائم ہے اور وہ اپنی ذات اور خاص صفات کے قیام میں قالب سے مستغنی اور بے پروا ہے اور آدمی کی موت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نیست و نابود ہو گیا بلکہ قالب سے رُوح کے تصرف کے منقطع ہو جانے کا نام موت ہے"۔

بنظرِ غائر تمام نظریات کا مطالعہ کیا جائے تو یہی چیز ثابت ہوتی ہے کہ رُوح اور نفس ایک ہی شے ہے البتہ جسم سے اس کا تعلق دو قسم کا ہے۔ ایک ادراک و احساس کا اور دوسرا تدبیر و تغذیہ کا۔ ادراک و احساس کے تعلق کو رُوحِ انسانی کہہ لیجئے اور تدبیر و تغذیہ کے تعلق کو رُوحِ حیوانی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

ملک الموت اور اس کے معاونین

یہ تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق اور مالک ہے۔ اسی کے قبضۂ قدرت میں انسان کی جان ہے۔ وہی انسان پر موت وارد کریگا اور وہی قیامت کے دن اس کو پھر کھڑا کرے گا (جِلائے گا) گویا موت وحیات کے معاملہ میں فاعلِ حقیقی ذاتِ باری تعالیٰ ہے البتہ اس نے انسانوں کی روحیں قبض کرنے پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن حکیم کی کئی آیات سے ملتا ہے مثلاً سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ (ع-۴)

(یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے قاصد ان کی روحوں کو قبض کرنے آئیں گے)

سورۂ انفال میں فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ج (ع-۷)

(اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی رُوح قبض کرتے ہیں مارتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر)

سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ (ع-۴)

(جن کو فرشتے پاک وصاف حالت میں وفات دیتے ہیں)

سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ۔ (ع-۱۴)

(بیشک فرشتوں نے جن کی روحوں کو اس حالت میں قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے)

اسی طرح کئی اور مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ خاکی جسموں سے (مقررہ وقت پر) روحیں جدا کرتے (یا قبض کرتے) کا کام ملائکہ کے سپرد ہے۔ البتہ سورۂ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ انسانوں پر موت کا فرشتہ مقرر کیا گیا ہے وہی ان کو وفات دیگا۔ یعنی یہاں صیغۂ واحد استعمال کیا گیا ہے:۔

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ، (ع-۱)

(کہہ دے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تم کو وفات دے گا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

مفسرین کے اقوال اور احادیثِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضِ ارواح کا کام ایک خاص فرشتے کے سپرد ہے۔ جس کا نام عزرائیل ہے تاہم عرفِ عام میں اس کو "ملک الموت" ہی کہا جاتا ہے۔ اس کے ماتحت بیشمار دوسرے فرشتے ہیں جو قبضِ ارواح میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہ فرشتے بھی اس لحاظ سے ملائکہ موت ہی ہیں اور قرآنِ حکیم کی دوسری آیات میں انہی ملائکہ

کا ذکر ہے۔ بعض احادیث میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ ملک الموت صرف اسی کی رُوح قبض کرتا ہے جس کے بارے میں اس کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے اس کو پہلے سے اس کی خبر نہیں ہوتی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ جو ملائکہ ہر وقت انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں وہی اجل کو لکھتے ہیں اور وہی رُوح کو قبض کرتے ہیں اور ملک الموت کے سپرد کرتے ہیں۔ ملک الموت ان کا سردار ہے اور قبضِ ارواح کی ذمہ داری حقیقت میں اسی کی ہے۔ اس اشکال کے جواب میں کہ ملک الموت بیک وقت ہزاروں اور لاکھوں ارواح کو قبض کرنے کی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے۔ احادیث میں بتایا گیا ہے کہ زمین (یا دنیا) ملک الموت کے سامنے اس طرح بنا دی گئی ہے جیسے کسی انسان کے سامنے ایک طشت (تھال) یا دسترخوان کہ اس میں سے جو چیز چاہے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ملک الموت کے لئے مسخر کر دیا ہے جب وہ کسی پاک رُوح کو قبض کرتا ہے تو اس کو ملائکہ رحمت کے سپرد کر دیتا ہے اور جب کسی بری رُوح کو قبض کرتا ہے تو اس کو ملائکہ عذاب کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور پھر معاملاتِ برزخ کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ملک الموت کا حُلیہ

قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے وقت

انسان کو بعض غیبی صورتیں نظر آتی ہیں۔ کچھ غیبی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ غیبی صورتیں فرشتے ہوتے ہیں یا انسان کے بعض اعمال متشکل ہو کر مرنے والے کے سامنے آتے ہیں (اس کی تفصیل آگے آئے گی) کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنیوالے کو ملک الموت اور اس کے مددگار فرشتے بھی نظر آتے ہیں۔ عام لوگ تو ان کو موت کے وقت ہی دیکھ پاتے ہیں لیکن انبیائے کرام اور دوسرے خاصانِ خدا بعض اوقات ملک الموت کو موت سے پہلے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ملک الموت کی اصلی صورت شکل کا احادیث میں صراحت سے ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ یہ بتایا گیا ہے کہ کافروں کی رُوح قبض کرتے وقت اس کی صورت ایسی مہیب ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر انسان کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کی صورت ایک سیاہ فام آدمی کی ہوتی ہے جس کا سر آسمان سے لگ رہا ہوتا ہے اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوتے ہیں اس کے جسم کا ہر بال بھی انسانی شکل میں ہوتا ہے جس کے منہ اور کانوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ اس کے برعکس جب وہ کسی مومن کی رُوح قبض کرتا ہے تو اس کی صورت ایک جوانِ رعنا کی ہوتی ہے جس کے عمدہ سفید لباس سے خوشبو کی ایسی لپٹیں آتی ہیں کہ رُوح تازہ ہو جاتی ہے۔ کچھ دوسری روایات میں ملک الموت کا حُلیہ مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے تاہم ایک بات سب روایتوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ کافروں

اور نافرمانوں کو موت کے وقت ملک الموت نہایت مہیب صورت میں نظر آتا ہے اور مومنوں کو وہ ایسی پاکیزہ شکل و صورت میں دکھائی دیتا ہے کہ اس سے اُنس پیدا ہوتا ہے۔

ان روایات کی تطبیق اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو (بشمول ملک الموت) یہ قدرت دی ہے کہ وہ جو صورت چاہیں اختیار کرلیں تو عین ممکن ہے کہ ملک الموت ہر مرنے والے کے پاس ایک ہی صورت میں نہ جائیں بلکہ مختلف شکل و صورت میں جائیں۔ کافروں کی رُوح کسی مہیب صورت میں قبض کریں اور مومنوں کی کسی پاکیزہ اور دلکش صورت میں۔

سکراتِ موت

جانکنی کی تکلیف یا نزع کی حالت کو سکراتِ موت کہا جاتا ہے سکراتِ موت کی ایک کیفیت تو وہ ہے جس کی تفصیل پیچھے آچکی ہے یعنی اس وقت انسان بعض غیبی صورتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کو بعض غیبی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اس طرح "حقیقت" بے نقاب ہوکر اس کے سامنے آجاتی ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا ہے:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (ق-۲)

(اور موت کی بیہوشی حقیقت کو لے کر آگئی۔ یہی ہے وہ جس

سے تو ہٹا کرتا تھا)

سکرات کی دوسری کیفیت وہ ہے جس کی خبر متعدد احادیث میں دی گئی ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم موت کے وقت انسان کو ناقابلِ بیان تکلیف ہوتی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میرے نزدیک بستر پر مرنے سے ہزار تلواروں کا لگنا آسان تر ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت حسنؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانکنی کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تین سو ضرب تلوار کے برابر ہے۔

ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں حضرت حسنؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ تم نے موت کو کیسا پایا تو انہوں نے کہا کہ میں نے یوں محسوس کیا کہ لوہے کی ایک سیخ میرے پیٹ میں داخل ہے اور اس کی بہت سی شاخیں ہیں جس کی ہر شاخ میری ایک ایک رگ میں الجھ رہی ہے اور پھر وہ نہایت سختی کے ساتھ میرے پیٹ سے کھینچی گئی ہے تو ان سے کہا گیا کہ ہم نے تو تم پر آسانی کی ہے۔

امام احمدؒ نے زہد میں اور مروزیؒ نے جنائز میں حضرت ابی ملیکہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حق تعالیٰ سے ملے تو آپ سے پوچھا گیا کہ تم نے موت کو کیسا پایا۔ آپ نے عرض کیا

کہ میں نے اپنی جان کو ایسا پایا کہ گویا وہ کھجور کے کانٹوں سے کھینچی جا رہی ہے تو ان سے کہا گیا کہ ہم نے تو تم پر موت کو آسان کر دیا تھا۔

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بوقتِ مرگ بندہ کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور قید کر لیتے ہیں ورنہ وہ سکرات موت کی شدّت کے سبب جنگلوں اور بیابانوں میں دوڑتا پھرتا۔

ابن سعدؒ نے عوانہ بن الحکم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کہا کرتے تھے کہ تعجب ہے اس شخص پر کہ مرتے وقت اس کے ہوش وحواس قائم ہوں اور پھر وہ موت کی کیفیت بیان نہ کرے چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے فرزند عبداللہؓ نے ان کو اپنا قول یاد دلایا۔ انہوں نے کہا کہ "اے بیٹے موت کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہیں بس اس کا کسی قدر اندازہ اسی سے کر لو کہ میں اس وقت اپنے آپ کو ایسا پاتا ہوں کہ جبلِ رضوی میری گردن پر ٹوٹا پڑ رہا ہے۔ میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھرے ہوئے ہیں اور میری جان سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے"۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موت کی سختی گناہوں کے سبب سے ہوتی ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ موت کی سختی نرمی کا نجاتِ آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیائے کرام اور صالحینِ امّت

کو موت کی سختی کا ہرگز سامنا نہ کرنا پڑتا۔ امام بخاریؒ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص پر شدتِ موت کو مکروہ نہیں جانتی۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا خیال تھا کہ موت کی سختی گناہوں کے سبب سے ہوتی ہے لیکن جب انہوں نے سرورِ دو عالم شفیع المذنبین صؐ کی موت کی سختی دیکھی تو انہوں نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ مومن پر موت کی سختی گناہوں کا نتیجہ نہیں ہے ورنہ انبیائے کرامؑ پر جو گناہوں سے پاک وصاف ہوتے ہیں یہ ہرگز نہ آتی۔

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مومن کی رُوح بڑی آسانی سے نکلتی ہے۔ علماء نے سختی اور نرمی والی احادیث کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ مومن پر سختی رُوح نکلنے سے پہلے ہوتی ہے۔ یہ سختی اس کے بعض گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور اگر گناہ نہ ہوں تو اس کے درجات بلند کرنے کا موجب ہوتی ہے۔

مومن کی رُوح اس کے جسم سے بغیر کسی تکلیف کے جدا ہو جاتی ہے اور وہ اس وقت بڑی فرحت اور مسرت محسوس کرتی ہے۔ اس کے برعکس کافر، مشرک اور منافق کی رُوح بڑی سختی سے نکلتی ہے اور وہ اس وقت بڑا کرب اور دُکھ محسوس کرتی ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان کفّار کے ہاتھوں شہید ہوں

وہ موت کی سختی سے مستثنٰی ہیں اور وہ موت کا صرف اتنا الم پاتے ہیں جتنا کہ کوئی شخص چیونٹی کے کاٹنے کا۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں امام قرطبیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "شدتِ موت انبیاء علیہم السلام میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک ان کے فضائل کی تکمیل اور ان کے درجاتِ رفیع کی ترقی اور یہ خدانخواستہ نہ نقص ہے اور نہ عذاب جیساکہ وارد ہوا ہے کہ نبیوں پر سب سے بڑھ کر سخت مصیبت آتی ہے پھر ان پر جو (عمل میں) ان سے زیادہ مشابہ ہوں پھر ان پر جو نبیوں سے مشابہت رکھنے والوں سے بہت مشابہ ہوں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ مخلوق موت کی سختی کا اندازہ کر سکے کیونکہ وہ ایک امرِ باطنی ہے اور بعض اوقات انسان کسی میّت (قریب المرگ انسان) کو دیکھتا ہے کہ اس میں نہ کسی قسم کی حرکت ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا اضطراب ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کی جان آسانی سے نکل گئی تو وہ امرِ موت کو سہل جاننے لگتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ میّت کس درد، الم اور تکلیف میں مبتلا ہے پس جب انبیائے کرام اور رسل علیہم السلام نے جو ہمیشہ سچی خبر دیتے ہیں شدّتِ الم موت کی خبر دی۔ تو مخلوق نے اس پر یقین کیا اور اس شدّتِ الم سے بمطابق حدیث صحیح شہید کے سوا جس کو کہ کفّار نے قتل کیا ہو اور کوئی شخص مستثنٰی نہیں ہے۔"

موت کی ایک قسم وہ ہے جس کو مرگِ مفاجات یا ناگہانی موت کہا جاتا ہے اس میں بظاہر انسان سکراتِ موت میں مبتلا نہیں ہوتا۔ ایسی موت کے بارے میں ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ نیکوں کے لئے اچھی ہے

اور بدوں کے لئے بری۔ چنانچہ بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت علبید بن عمیرؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا مرگِ مفاجات مکروہ ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کے مکروہ ہونے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ مومن کے لئے تو راحت ہے اور کافر کے لئے (خدا کے) غصّہ کی پکڑ ہے۔

مومن موت کا خوشدلی سے استقبال کرتا ہے

مومن اور کافر کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کافر آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے چنانچہ جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اپنے مال و اسباب، اولاد اور دنیوی عیش و راحت سے جدائی کے سبب سراپا یاس بن جاتا ہے اور پھر جب اس کو غیبی صورتیں اور غیبی آوازیں دردناک عذاب کی "بشارت" دیتی ہے تو اس کا جو حال ہوتا ہے وہ ظاہر ہے اس کے برعکس مومن آخرت پر پختہ ایمان رکھتا ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس میں دل نہیں لگاتا اور نہ اس کی آلائشوں میں ملوّث ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت قربِ الٰہی کے حصول کا متمنّی رہتا ہے۔ موت اس کے نزدیک حیاتِ ابدی کی پہلی منزل ہے اور دیدارِ الٰہی کی بے پایاں مسرت حاصل کرنے کا دروازہ ہے۔ اس لئے وہ موت سے کراہت نہیں کرتا بلکہ نہایت

خوشدلی سے اس کا استقبال کرتا ہے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسّم بر لبِ اُوست (اقبالؒ)

اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ موت مومن کا تحفہ ہے (مستدرک حاکم)

امام حسینؓ بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ موت مومن کا ریحانہ (گلدستہ) ہے۔ (مسند دیلمی)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ دنیا کافر کی جنّت اور مومن کا قید خانہ ہے اور مومن جب اس کی جان نکلتی ہے اس شخص کی مانند ہے جو قید خانہ میں ہو اور پھر وہ وہاں سے نکالا جائے اور وہ آزادی سے ہر طرف چلنے پھرنے لگے۔ (کتاب الزہد، ابنِ مبارکؒ)

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور اس کا قحط ہے پس جب وہ دنیا سے جدا ہوتا ہے تو گویا قید اور قحط سے جُدا ہوتا ہے۔ (طبرانی)

صحیحین میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جو شخص اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنے سے کراہت کرتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سب موت سے کراہت کرتے ہیں۔

رسول اکرم صؐ نے فرمایا۔ "یہ بات نہیں بلکہ مومن جب موت کا سامنا کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور کرم کی بشارت دی جاتی ہے تو موت سے بڑھ کر کوئی چیز اس کو محبوب نہیں ہوتی پس وہ اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے۔

اور جب کافر موت کا سامنا کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سختی کی خبر دی جاتی ہے تو موت سے بڑھ کر کوئی چیز اس کو مکروہ معلوم نہیں ہوتی پس وہ اللہ کو ملنے سے کراہت کرتا ہے اور اللہ بھی اس کو ملنے سے کرتا ہے۔"

مُستریح اور مُستراح منہ

ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے نہایت بلیغ انداز میں فاجر اور مومن کی موت کا فرق واضح کیا ہے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابو قتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر گذرے تو آپؐ نے فرمایا:

مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِّنْهُ

(یہ جنازہ مستریح ہے یا مستراح منہ ہے

صحابہ کرام رضؓ نے عرض کیا:-

مَا الْمُسْتَرِيْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ

(یارسول اللہ) مستریح کون ہوتا ہے اور مستراح منہ کون)

قَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَ اَذَاهَا

(حضورؐ نے) فرمایا مستریح بندۂ مومن ہوتا ہے جو مرکر دنیا کے آلام و مصائب سے رہائی پاجاتا ہے)

وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ ط

(اور مستراح منہ وہ فاجر (بداعمال شخص) ہوتا ہے جس کے مرنے پر لوگ، شہر، درخت اور جانور اس (کے شر) سے رہائی پاتے ہیں۔)

ابن ابی شیبہ نے یزید بن ابو ذرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوجحیفہ رضؓ کے پاس سے ایک جنازہ گذرا تو انہوں نے فرمایا کہ اس (مرنے والے) نے راحت پائی یا (دوسروں کو) اس سے راحت دی گئی۔ مطلب یہ کہ اگر یہ مومن ہے تو اس نے مرکر دنیا کے رنج وتعب سے نجات حاصل کی اور اگر فاجر ہے تو دوسروں نے اس کی برائی سے

رہائی پائی۔

مرتے وقت انسان کو اس کے اچھے برے اعمال کی صورتیں نظر آتی ہیں

مرنے سے پہلے بالعموم انسان پر نزع کی بیہوشی طاری ہو جاتی ہے اس حالت میں اس کو عجیب و غریب صورتیں نظر آتی ہیں کبھی یہ صورتیں عذاب۔ رحمت اور موت کے فرشتوں کی ہوتی ہیں اور کبھی انسان کے اچھے اور برے اعمال پر اسرار صورتوں میں متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے سے پہلے انسان کو اس کے اہلِ مجلس کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں اگر اس کی صحبت نیک لوگوں سے تھی تو اس کو نیک لوگوں کی صورتیں نظر آئیں گی۔ اگر وہ برے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا تو اس کو برے لوگوں کی صورتیں نظر آئیں گی۔ ابو نعیمؒ نے مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ کوئی میّت نہیں مرتا مگر کہ اس پر اس کے اہلِ مجلس پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اہلِ ذکر سے ہے تو اہلِ ذکر سے اور اگر اہل لہو سے ہے تو اہل لہو سے۔

موت کے وقت انسان کو فرشتوں کے نظر آنے کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ج (انعام - ع - ۱۱)

ترجمہ:- اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں اور فرشتے ہاتھ کھولے ہوں کہ نکالو اپنی روحوں کو آج تم کو اس پر ذلّت کی سزا ملے گی کہ تم اللہ کی شان میں جھوٹ باتیں کہتے تھے اور اس کے احکام کو ماننے سے غرور کرتے تھے اور تم ایک ایک کر کے جیسے ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا ہمارے پاس آئے اور جو سامان و اسباب تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔

مومن اور کافر کی موت میں فرق

مومن ہو یا کافر موت کا ذائقہ تو ہر ذی نفس نے ایک نہ ایک دن ضرور چکھنا ہے البتہ مومن اور کافر کی موت میں بڑا فرق ہے۔ اس فرق کی وضاحت کے لئے ہم مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضؓ سے مروی ایک طویل حدیث یہاں درج کر رہے ہیں جس کو امام احمدؒ، ابوداؤد، ابن ابی شیبہؒ ۔ طیالسیؒ ہناد بن السریؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ، بیہقیؒ اور کئی دوسرے محدثین نے باسنادِ صحیحہ نقل کیا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں باہر نکلے۔ یہاں تک کہ ہم قبر کے قریب پہنچے۔ میّت قبر میں رکھنے سے پہلے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم سب آپ کے گرد بیٹھ گئے اس طرح کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں۔ (یعنی نہایت مؤدّبانہ حالت میں) اور حضورؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور تین بار فرمایا کہ تم عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ پھر فرمایا کہ جب بندۂ مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے نہایت روشن مثلِ آفتاب ہوتے ہیں ان کے پاس جنت سے لایا ہوا کفن اور خوشبو ہوتی ہے۔ وہ مرنے والے کے قریب اس کی حدّ نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملک الموت آتا ہے اور اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔ اے خدا کے ذکر سے آرام پائے ہوئے نفس، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رضا مندی کی طرف نکل آ۔ تو رُوح اس طرح نکل آتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے۔ پھر ملک الموت اس رُوح کو لیتا ہے اور آنکھ جھپکنے کی مدت میں (دوسرے) فرشتے اس کے ہاتھ سے رُوح کو لے لیتے ہیں اور اس کو اس کفن اور خوشبو میں رکھتے ہیں جو وہ جنّت سے لائے ہوتے ہیں۔ اور اس رُوح سے ایسی نفیس خوشبو آتی ہے جو روئے زمین کی بہترین کستوری کی خوشبو کے مانند ہوتی ہے۔ پھر وہ فرشتے اس رُوح کو آسمان کی طرف لے جاتے

ہیں (زمین اور آسمان کے درمیان) فرشتوں کی جس جس جماعت کے پاس سے وہ گذرتے ہیں اس جماعت کے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ اچھی اور پاک رُوح کون ہے؟ رُوح لے جانے والے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کو بڑے اچھے اور تعظیمی ناموں کے ساتھ یاد کرتے ہیں یہاں تک کہ اس روح کو لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ پھر ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کو اگلے آسمان تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نامۂ اعمال عِلّیّین میں لکھ دو اور پھر اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اس کو اسی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے اس کو نکالوں گا پس اس رُوح کو اس کے بدن میں لوٹایا جاتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے رب میرا اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے دین میرا اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کون ہے یہ شخص جو تمہارے درمیان مبعوث کیا گیا وہ کہتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنّت کا بچھونا بچھاؤ اور اس کو جنّت کا لباس پہناؤ اور اس کے

لئے بہشت کی طرف دروازہ کھول دو تو اس کو بہشت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے پھر حدِّ نظر تک اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے پاس ایک خوب رُو آدمی پاکیزہ اور معطّر لباس پہنے ہوئے آتا ہے اور کہتا ہے تو خوش ہو اس چیز سے کہ حق تعالیٰ نے تیرے لئے آسانی کر دی۔ یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ پھر صاحبِ قبر کہتا ہے کہ تو کون ہے۔ تیرے دیکھنے سے راحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں تو وہ (صاحبِ قبر) کہتا ہے کہ اے پروردگار قیامت قائم کر تاکہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف رجوع کروں۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندۂ کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کی جانب آسمان سے سیاہ رُو فرشتے آتے ہیں جن کے پاس دوزخ سے لایا ہوا ٹاٹ (یا لوہے کا لباس) ہوتا ہے اور وہ مرنے والے کی حدِّ بصر تک اس کے گرداگرد بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اے نفسِ پلید نکل اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف چنانچہ رُوح اس کے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے اور ملک الموت اس کو اس طرح کھینچتا ہے جیسے کوئی گرم سیخ کو گیلی پشم میں سے کھینچتا ہے تو ملک الموت اس رُوح کو لیتا ہے اور دوسرے فرشتے (سیاہ رُو ملائکہ عذاب) آنکھ جھپکنے جتنی دیر بھی اس کو ملک الموت کے پاس نہیں رہنے دیتے اور اس کو دوزخ سے لایا ہوا لباس پہناتے ہیں اس رُوح سے بدترین مردار جیسی بدبو آتی ہے۔ اور پھر وہ فرشتے اس کو

لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ ملائکہ کی جس جس جماعت کے پاس سے وہ گذرتے ہیں اس جماعت کے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ کونسی ناپاک رُوح ہے تو اول الذکر فرشتے اس رُوح کا بُرے سے بُرا نام لے کر جس کے ساتھ کہ وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا کے قریب پہنچتے ہیں لیکن اس رُوح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ یہاں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (اعراف ع۵)

(ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے
اور نہ وہ جنّت میں داخل ہوں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے
ناکے میں گھس جائے۔)

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نامۂ اعمال سجّین میں لکھو جو سب سے نیچے کی زمین میں ہے پس اس رُوح کو وہاں سے گرا دیا جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے بطور استشہاد یہ آیت پڑھی:

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ

(گویا وہ آسمان سے گر پڑا تو اس کو پرندے اچک لے گئے
یا ہوا نے اس کو کسی دُور جگہ جا ڈالا۔)

پھر اس رُوح کو اس کے بدن میں لوٹایا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے میں نہیں جانتا پھر وہ اس سے کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ اس سے کہتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے جو تمہارے درمیان مبعوث کئے گئے تو وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے میں نہیں جانتا تو پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرے اس بندے نے جھوٹ کہا ہے۔ اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ اور اس کو آگ کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے دوزخ کی جانب سے دروازہ کھول دو۔ پس اس کو دوزخ کی گرمی اور لُو آتی رہتی ہے اور اس پر اس کی قبر کو تنگ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اُدھر کی اِدھر اور اِدھر کی اُدھر نکل جاتی ہیں۔ اس کے بعد اس کے پاس ایک شخص آتا ہے نہایت بدشکل اور بدبودار لباس پہنے ہوئے وہ کہتا ہے تجھ کو اس چیز کی بشارت ہو جو تجھے ناخوش کرنے والی ہے یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا تو وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے کہ تیرا منہ تو برائی ہی برائی لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل بد ہوں تو وہ (کافر) کہتا ہے کہ اے پروردگار قیامت قائم نہ کرنا۔

واقعاتِ بعد الموت

عالمِ برزخ

آخرت کی پہلی منزل

برزخ کی حقیقت

پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے "موت" کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رُوح اپنے قالب یا بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان کی موجودہ زندگی یعنی حیات دنیوی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ حیاتِ آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔ حیاتِ آخرت کی اسی منزل کا نام "برزخ" ہے۔ گویا دنیوی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی برزخی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے جو قیامت تک رہے گی۔ قیامت کے دن انسان کی حیاتِ آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل کا آغاز ہو گا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو گی۔ اس کے بعد انسان کو کبھی موت کی لذت نہیں چکھنی پڑے گی۔ اس کی تفصیل آئندہ مناسب موقع پر آئے گی۔

"برزخ" کے لغوی معنی دو چیزوں کے درمیان کے پردے، حاجب یا حائل کے ہیں۔ گویا انسان کی حیاتِ دنیوی کے خاتمہ (موت) اور حیاتِ ابدی (قیامت کو شروع ہونے والی زندگی) کے درمیان جو مقام حائل ہے اس کا نام برزخ ہے۔ اس کو حیات دنیوی اور حیات ابدی کی درمیانی منزل کہہ لیجئے یا حیاتِ آخری کی پہلی منزل ایک ہی بات ہے۔

قرآنِ حکیم میں برزخ کی حقیقت یوں بیان کی گئی ہے:

وَمِن وَّرَآئِهِم بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (مومنون - ۶)

ترجمہ اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جبکہ وہ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے۔

سورۂ مومنون کے علاوہ برزخ کا لفظ قرآنِ حکیم میں دو جگہ اور آیا ہے۔ سورۂ رحمان میں اور سورہ فرقان میں۔ وہاں بھی یہ "درمیان کے پردہ" کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

سورۂ رحمٰن میں ارشاد ہوا ہے:

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (ع-۱)

ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے (جس سے) ایک دوسرے پر بڑھ کر نہیں جاتا۔

سورۂ فرقان میں فرمایا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ج وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُورًا،

ترجمہ:- اور اسی نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا۔ یہ میٹھا اور پیاس بجھاتا ہے اور وہ کھاری کڑوا ہے اور ان کے درمیان ایک پردہ اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے۔

اوپر کی دونوں آیات میں دو دریاؤں کا ذکر ہے جن میں سے ایک کا پانی میٹھا ہے اور دوسرے کا کھاری۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں لیکن ان دونوں کے پانی ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ حالانکہ ان کے درمیان کوئی ایسی رکاوٹ نظر نہیں آتی جو میٹھے پانی کو کھارے

پانی میں یا کھارے پانی کو میٹھے پانی میں ملنے نہ دے۔ مگر فی الحقیقت ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے جو کھارے اور میٹھے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے۔ اسی پردے کو برزخ فرمایا گیا ہے۔ دنیوی زندگی اور برزخی زندگی کی بھی یہی مثال ہے۔ یہ دونوں زندگیاں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں لیکن ہر ایک کا اپنا اپنا انداز اور اپنی اپنی خصوصیت ہے۔ برزخ کا خدائی پردہ یا حاجب ان کو ایک دوسرے میں گڈ مڈ نہیں ہونے دیتا۔ دنیا انسان کا ایک گھر ہے اور برزخ دوسرا۔ انسان پر موت وارد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو گیا صرف اتنے فرق کے ساتھ کہ پہلے گھر یعنی دنیا میں وہ قالب اور روح کا مجموعہ تھا اور دوسرے گھر میں صرف اس کی رُوح یا جان منتقل ہوئی۔ قالب دنیا میں ہی رہ گیا۔ یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے چل رہا ہے اور قیامت تک اسی طرح چلتا رہے گا۔

قبر برزخ کا دُوسرا نام ہے

"قبر" عام طور پر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں زمین کھود کر کسی میّت کو دفن کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی قبر ہر انسان کو میسّر ہوتی ہے۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ دنیا میں کئی قومیں ایسی ہیں جو اپنے مُردوں کو دفن نہیں کرتیں بلکہ ان کو جلا کر راکھ کر دیتی ہیں اور اس راکھ کو دریاؤں میں بہا دیتی ہیں۔ بعض قومیں اپنے مردوں کو کسی چبوترے یا بلند جگہ پر رکھ دیتی ہیں جہاں سے ان کو پرندے کھا جاتے ہیں۔ اسی طرح

بعض قومیں اپنے مُردوں کو دریاؤں اور سمندروں میں بہا دیتی ہیں۔ یہ تو ایسی صورتیں ہیں جن میں موت عام حالات میں واقع ہوتی ہے اور میّت کا جسم محفوظ ہوتا ہے۔ موت کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں میّت کا جسم ہاتھ ہی نہیں آتا۔ مثلاً کسی آدمی کو درندہ پھاڑ کھاتا ہے یا اس کو اژدہا یا بڑی مچھلی نگل جاتی ہے۔ اسی طرح کئی آدمی ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ان کی لاش ہاتھ نہیں آتی۔ بعض لوگ جل کر راکھ بن جاتے ہیں۔ بعض بم یا توپ کے گولے سے جل کر بھسم ہو جاتے ہیں یا ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں ان میتوں کی ظاہری قبر بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی کی رُو سے ہر انسان خواہ وہ کسی مذہب و ملّت سے تعلق رکھتا ہو یا اس کی موت کسی طریقے سے واقع ہوئی ہو مرنے کے بعد قبر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ "قبر" فی الحقیقت اس تودۂ خاک کا نام نہیں جس کے نیچے کوئی میّت دفن ہے بلکہ اس عالَم کا نام ہے جس سے ہر انسان کو موت کے بعد سابقہ پیش آتا ہے۔ لاریب یہ عالم "عالمِ برزخ" ہے۔ میّت خواہ خاک کے نیچے ہو یا ذرّوں کی صورت میں فضا میں منتشر۔ کسی درندے یا پرندے کے پیٹ میں ہو یا پانی کے نیچے وہ اپنی قبر ہی میں ہے۔ برزخ کے معاملات اس کو اسی جگہ پیش آئیں گے اور قیامت کے دن وہ اسی جگہ سے اٹھائی جائے گی۔ گویا قبر سے مراد ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسمِ خاکی نے جگہ حاصل کی۔ اس میں تودۂ خاک کی تخصیص

نہیں ہے۔ اس حقیقت کو سورۂ حج میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ (ع-۱)

(اور بیشک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔)

اب اگر قبر سے مراد وہ تودۂ خاک لیا جائے جس میں کسی میّت کو دفن کیا گیا ہو تو ان لوگوں کو خارج کرنا پڑے گا جن کو دفن نہیں کیا گیا۔ یہ بات قرآن حکیم کے منشاء کے خلاف ہے کیونکہ قیامت کے دن ہر انسان کو اٹھایا جائے گا۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان قبر میں جاتا ہے خواہ اس کی ظاہری شکل وصورت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں "قبر" برزخ کا دوسرا نام ہے۔ اس نظریئے کی تصدیق متعدد احادیثِ نبوی سے بھی ہوتی ہے کیونکہ ان میں عالمِ برزخ کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ عام طور پر "قبر" کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ گویا قبر کا عذاب اور قبر کی راحت حقیقت میں برزخ کا عذاب اور برزخ کی راحت ہے۔ میّت خواہ نظر کے سامنے ہو یا نظر سے مستور ہو جائے۔ جسم سے رُوح کے جدا ہوتے ہی عالمِ برزخ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اور یہی انسان کی قبر ہے۔ مختصر یہ کہ آخرت کی پہلی منزل یا انسان کی موت اور قیامتِ کبریٰ کے درمیانی وقفہ کو برزخ کہہ لیجئے یا قبر ایک ہی بات ہے۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہ لینا چاہیے کہ میّت کو خواہ کسی طریقے سے ٹھکانے لگا دیا جائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اسلام مسلمانوں پر میّت کے کچھ حقوق عاید کرتا ہے جن کا پورا کرنا ضروری ہے۔ میّت کی

بیحرمتی کرنا سخت گناہ ہے۔ میّت کو غسل دینے، کفن پہنانے، دفن کرنے اور دوسرے امور کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ ان کے مطابق عمل کریں۔

عالمِ برزخ، عالمِ آخرت سے الگ نہیں ہے

آخرت کے لفظی معنیٰ "پچھلی" کے ہیں اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس کا مفہوم "پچھلی زندگی" یا "موجودہ زندگی (حیاتِ دنیوی) کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی" ہے۔ قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں بھی "اَلْاٰخِرَة" "اَلْحَیٰوةِ الْاٰخِرَةُ" "اَلدَّارُ الْاٰخِرَةَ" اور "اَلْاٰخِر" کے الفاظ آئے ہیں ان سے مراد یہی پچھلی زندگی یا پچھلا (آخری) گھر ہے۔ ایک مسلمان کے لئے آخرت یا پچھلی زندگی پر ایمان لانا فرض ہے۔ قرآنِ حکیم میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ہدایت یاب اور کامیاب وہی ہیں جو (منجملہ دوسرے امورِ ایمان) آخرت پر یقین رکھتے ہیں

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ - ۱)

(اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں)

جو شخص آخرت کا منکر ہے وہ اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس "پچھلی زندگی" کا آغاز کب ہو گا۔ اس کا جواب ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں ملتا ہے کہ انسان پر موت وارد ہوتے ہی اس کی پچھلی زندگی یا حیاتِ آخرت کا آغاز ہو جاتا

ہے۔ گویا عالمِ برزخ، عالمِ آخرت ہی کا ایک حصّہ ہے۔ اسی لئے اس کو آخرت کی پہلی منزل کہا گیا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔ (ع-۴)

(جو ایمان لائے ان کو اللہ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اس پکّی بات (کلمۂ توحید) پر ثابت قدم رکھے گا)

کئی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں آخرۃ سے مراد "عالمِ برزخ" ہے۔ کیونکہ قیامت میں کلمۂ توحید پر قائم رہنا کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس دن ہر چیز اپنی حقیقی صورت میں سامنے آجائے گی۔ اور ہر راز فاش ہو جائے گا۔

یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ

یعنی جس دن تمام بھید کھل جائیں گے

البتہ حیاتِ دنیا اور عالمِ برزخ میں وہی کلمۂ توحید پر مضبوط رہ سکے گا جو سچے دل سے ایمان لایا۔

مختصر یہ کہ عالمِ برزخ کو عالمِ آخرت سے الگ نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ آخرت ہی کا پہلا دور ہے جس کی مدت موت سے قیامت تک ہے۔ آخرت کا دوسرا اور ابدی دَور یومِ قیامت کو شروع ہوگا۔ اس دَور کا نام "بعث" یا "حشر و نشر" اور "قیامت" ہے۔ (اس کی تفصیل آگے ایک الگ باب میں آئے گی۔) گویا آخرت کے ان دو دَوروں یا دو منزلوں میں اگر

کچھ فرق ہے تو وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے نام مختلف ہیں - پہلا یعنی برزخ عارضی ہے اور دوسرا یعنی قیامت یا یوم جزاء ابدی ہے جس میں پھر موت اور فنا نہیں ہے - اس کے علاوہ ان کی کیفیات اور معاملات مختلف ہوں گے - برزخ کی زندگی ایک طویل و عمیق نیند سے مشابہت رکھتی ہے اور قیامت کی زندگی بیداری کی زندگی ہے - برزخ کی زندگی علم الیقین کی زندگی ہے اور قیامت کی زندگی عین الیقین کی - اس کی وضاحت آگے مناسب مقام پر آئے گی -

حیاتِ انسانی کے تین دَور

قرآنِ حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ حیاتِ انسانی تین دَوروں پر مشتمل ہے:

۱- حیات دنیا (جس کو موت ختم کر دے گی)
۲- حیاتِ برزخ (جو موت کے معاً بعد شروع ہو جائے گی)
۳- حیاتِ ابدی (جس کا آغاز قیامتِ کبریٰ کے دن ہوگا-)

سورۂ توبہ میں فرمایا گیا ہے:

سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ

(ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے-) (ع-۱۳)

اس آیت میں عذاب کی تین منزلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے - پہلا عذاب دنیا میں ہوگا اس کی مختلف صورتیں ہیں بہرحال یہ عذاب رُوح کو

مادی جسم کے واسطے سے پہنچے گا۔ دوسرا عذاب برزخ میں ہوگا۔ جو براہِ راست رُوح کو ہوگا اور جسم روح کے واسطے سے ضمناً متاثر ہوگا۔ تیسرا عذاب قیامت کو ہوگا اس میں رُوح اور جسم دونوں عذاب سے متاثر ہوں گے (اگرچہ دونوں کے عذاب کے مظاہر جدا جدا ہوں گے) مفسرین نے اس آیت سے حیاتِ انسانی کے تین ادوار پر استدلال کیا ہے

سوال و جواب (فتنۂ قبر)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے ہر انسان جامِ اجل پینے کے بعد عالمِ برزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر جو کچھ اسے پیش آتا ہے (قیامت سے پہلے) وہ معاملاتِ برزخ کی قبیل سے ہے۔ ان معاملات کے ابتدائی مرحلوں میں ایک سخت مرحلہ سوال و جواب کا ہے۔ یہ سوال و جواب مرنے والے آدمی اور فرشتوں کے درمیان ہوں گے۔ قرآنِ حکیم سے بھی اس سوال و جواب کا واضح ثبوت ملتا ہے چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ ط قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ط قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا ط فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ، (ع - ۱۴)

(بیشک فرشتوں نے جن کی روحوں کو اس حالت میں قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے، وہ ان سے کہتے ہیں تم کس بات میں تھے وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ملک میں بے یار و مددگار تھے - وہ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے جاتے)

اسی طرح کئی اور مقامات پر بھی برزخ کے سوال و جواب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے گویا عالم برزخ (یا قبر) کے سوال و جواب پر ایمان لانا ضروری ہے -

متعدد احادیث صحیحہ میں اس سوال و جواب کی جو تفصیل دی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :

مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں ان میں ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے (ان دونوں کو نکیرین کہتے ہیں) وہ مرنے والے سے توحید و رسالت کی نسبت سوال و جواب کرتے ہیں۔

نکیرین کا پہلا سوال ہوتا ہے مَنْ رَبُّكَ (تیرا رب کون ہے؟) دوسرا سوال ہوتا ہے مَا دِيْنُكَ (تیرا دین کیا ہے؟) اور تیسرا سوال ہوتا ہے مَنْ هٰذَا الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ (وہ کون تھے جنہوں نے تجھے دین سکھایا)

اگر مردہ با ایمان ہے تو جواب دیتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔ اسلام میرا دین ہے اور نبی میرے مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں - ایک

روایت میں ہے کہ باایمان مردہ نکیرین کے سوالات کے جواب میں کلمۂ شہادت پڑھ دیتا ہے۔ اس کے برعکس منافق یا کافر مردہ بہک جاتا ہے اور اوٹ پٹانگ جواب دیتا ہے۔

مختلف روایات میں سوال و جواب کے الفاظ میں کسی قدر اختلاف ہے تاہم ان کا مقصود ایک ہی ہے یعنی توحید و رسالت کے بارے میں مرنے والے کو آزمانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبر کے سوال و جواب کو "آزمائش" قرار دیا ہے۔ جو مردے آزمائش میں پورے اترتے ہیں یعنی توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں ان کی قبر منور ہو جاتی ہے اور فرشتے ان سے کہتے ہیں نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ (دلہن کی نیند سو جاؤ) اس طویل اور پرسکون نیند سے اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن جگائے گا۔

منافق اور کافر جو آزمائش میں پورے نہیں اتریں گے ان پر اسی وقت سے عذاب برزخ شروع ہو جائے گا۔ جو قیامت تک جاری رہے گا۔ برزخ کے عذاب و راحت کی تفصیل آگے آئے گی۔

علماء نے قبر کے سوال و جواب کے ضمن میں پیدا ہونے والے کئی سوالات اور مسائل کے جوابات بھی احادیث نبوی کی روشنی میں دیئے ہیں۔ ہم یہاں ان کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

۱۔ نکیرین کی شکل و صورت۔ احادیث سے نکیرین کی شکل و صورت کا کوئی واضح نقشہ تو سامنے نہیں آتا البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے

کہ وہ نہایت دہشتناک اور مہیب شکل وصورت کے ہونگے۔ ان کے چہرے سیاہ آنکھیں نیلی اور بال گھونگر یالے ہوں گے اور ان کی آواز میں رعد اور بجلی کی سی کڑک ہوگی

۲- قبر کے سوال وجواب کی نوعیت - قبر کے سوال وجواب کی نوعیت کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مُردوں سے بعض اعتقادات کے متعلق سوال ہوتا ہے۔ دوسری روایات میں ہے کہ سب سے ایک ہی قسم کے سوال پوچھے جاتے ہیں۔ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ سوالات کی نوعیت اور الفاظ خواہ کچھ ہی ہوں ان کا مقصد اس بات کی آزمائش کرنا ہے کہ مرنے والا توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں اور کلمۂ توحید یا کلمۂ طیبہ پر ثابت قدم رہتا ہے یا نہیں۔

۳- مردے اپنی قبروں میں کتنی بار آزمائے جاتے ہیں؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ مردہ سے ایک مجلس میں تین بار سوال کیا جاتا ہے اور بعض دوسروں کا قول ہے کہ مُردے اپنی قبروں میں سات روز تک آزمائے جاتے ہیں۔

۴- سوال وجواب کے وقت مردہ کس حالت میں ہوتا ہے؟ کئی احادیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ سوال وجواب کے وقت مردہ کو بٹھایا جاتا ہے۔ اس وقت اس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ گویا یہ عصر کے وقت کی مثالی کیفیت ہوتی ہے۔ اگر مرنے والا مومن ہو تو وہ تنگ وقت

دیکھ کر فوراً نماز پڑھنا چاہتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میت سے سوال ہوتا ہے۔ مَنْ رَبُّكَ (تیرا رب کون ہے؟) تو اس کو ایک صورت میں شیطان نظر آتا ہے جو اس کو اس طرح بہکانے کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں (اگر میّت مومن ہے تو وہ اس کے بہکاوے میں نہیں آتی۔ اگر کافر ہے تو وہ شیطان کو اپنا رب کہہ دیتی ہے) بعض شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میّت کو دفن کرتے وقت یہ دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ الشَّیْطَانِ (اے اللہ تو اس کو شیطان سے پناہ دے (بچا) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزمائش کے وقت شیطان کو بھی قبر میں راستہ دیا جاتا ہے۔

۵- کیا سوال وجواب صرف امّتِ محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے یا سب اُمّتوں سے ہوتا ہے؟ اس مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ نکیرین کا سوال وجواب صرف امتِ محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سب اُمّتوں سے ہوتا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ میں سکوت اختیار کرنا چاہیئے (خاموش رہنا چاہیئے یا توقف کرنا چاہیئے)

۶- کیا سوال وجواب مومن اور کافر دونوں سے ہوتا ہے؟ علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ سوال (نکیرین) صرف مومن یا منافق ہی سے ہوتا ہے جو کہ شہادتِ ظاہری کے سبب اسلام سے منسوب ہیں۔ اس کے برعکس جو کھلم کھلا کافر ہیں ان سے سوال نہیں ہوتا۔ امام ابن قیمؒ اور قرطبیؒ کا قول ہے

کہ کافر سے بھی ہوتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

۷۔ کیا بچوں سے بھی سوال کیا جاتا ہے؟ علامہ ابن حجرؒ نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ جس امر کو اختصاصِ سوال ظاہر کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ مسئول عنہ مکلّف ہو یعنی جس سے سوال کیا جائے وہ حیاتِ دنیوی میں نیکی اور بدی کا شعور رکھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ بچے یہ شعور نہیں رکھتے۔ اس لئے ان سے سوالِ (نکیرین) نہیں ہوگا۔

۸۔ مردہ سوالِ نکیرین کا جواب کس زبان میں دیتا ہے؟ اس مسئلہ میں بھی علماء کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ سریانی زبان میں جواب دیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عربی زبان میں جواب دیتا ہے اور تیسرا یہ کہ ہر شخص اپنی مادری زبان میں جواب دیتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ (کسی خاص زبان میں جواب دینے کا مطلب یہ ہے کہ سوال بھی اسی زبان میں کیا جائے گا۔)

۹۔ کیا منکر نکیر نام کے صرف دو فرشتے ہیں یا فرشتوں کی دو جماعتوں کا نام ہے؟ دنیا میں ہر روز ایک ہی وقت میں ہزاروں آدمی مرتے ہیں اور ایک ہی وقت میں قبر (عالمِ برزخ) میں داخل ہوتے ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ منکر نکیر نام کے اگر صرف دو فرشتے ہیں تو وہ بیک وقت ہزاروں مُردوں سے کیسے سوال کرتے ہیں بالخصوص اس حالت میں کہ وہ ایک دوسرے سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ہوتے ہیں۔ علمائے سلف کے ایک گروہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نکیرین کے اجسام کی عظمت اس امر

کی مقتضی ہے کہ وہ بیک وقت خلق کثیر کو ایک دم اس طرح مخاطب کرتے ہیں کہ مخاطبین میں سے ہر شخص کو یہی خیال ہوتا ہے کہ وہی مخاطب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوسروں کا جواب سننے سے روک دیتا ہے۔ علماء کے ایک دوسرے گروہ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ممکن ہے ملائکہ سوال کی بہت سی جماعتیں ہوں کہ بعض کا نام منکر اور بعض کا نکیر ہو اور ان میں سے ہر میّت کی جانب دو فرشتے بھیجے جاتے ہوں (ایک منکر اور ایک نکیر) علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں اسی رائے کی جانب اپنا جھکاؤ ظاہر کیا ہے۔

۱۰۔ کیا سوالِ نکیرین رُوح و بدن دونوں سے ہوتا ہے یا صرف رُوح سے؟ یہ ایک نہایت دقیق سوال ہے اور بعض علمائے سلف نے اس پر طویل بحثیں کی ہیں۔ ان بحثوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور ہر مکتبِ فکر کے علماء نے اپنے اپنے حق میں کافی وزنی دلائل دیئے ہیں۔ اس مسئلہ میں بعض مشہور علماء نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

ا۔ امام ابن قیمؒ کا مسلک یہ ہے کہ سوال کے وقت رُوح جسم کی جانب لوٹائی جاتی ہے لیکن اس اعادہ سے حیاتِ دنیوی حاصل نہیں ہوتی کہ جس میں بدن کو کھانے پینے اور دوسرے امور کی حاجت ہو بلکہ اس اعادہ کو بدن سے ایک اور قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے جس سے وہ محض سوال (نکیرین) سننے اس کو سمجھنے اور اس کا جواب دینے

پر قادر ہوتا ہے۔ اس کی مثال سوتے ہوئے آدمی کی زندگی ہے کہ وہ حیاتِ بیدار کی غیر ہے۔ نیند کو بھی موت کہا گیا ہے لیکن فی الحقیقت وہ حقیقی موت نہیں کیونکہ نائم (سونے والے) سے اطلاقِ حیات کی نفی نہیں کی جاتی پس ایسی ہی میّت کی حیات بھی حیاتِ زندہ کی غیر ہے اور یہ ایسی حیات ہے کہ اس سے اطلاق اسم موت کی نفی نہیں کی جاتی بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو موت اور حیات کے درمیان واسطہ ہے جیسا کہ نومِ حیات (نیند) اور موت کے درمیان واسطہ ہے اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رُوح کو بدن کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ضرور رہتا ہے خواہ جسم بوسیدہ ہو یا ٹکڑے ٹکڑے اور منقسم ہو جائے۔

امام ابن تیمیہ رح نے کہا ہے کہ اس بارے میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ رُوح کو سوال کرنے کے وقت بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رح، امام نسفی رح، امام بدر عینی رح، امام جلال الدین سیوطی رح اور بہت سے دوسرے علماء نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ سوالِ نکیرین رُوح و بدن دونوں سے ہوتا ہے۔ اور اس موقع پر رُوح بدن کی جانب لوٹائی جاتی ہے تاہم یہ حیات اس قسم کی نہیں ہوتی جیسی کہ دنیا کی ہے اور جس میں بدن کئی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ رُوح کو مثالی جسم یا بدن دیا جاتا ہے جو مردے کے دنیاوی جسم کا ہُوبہُو عکس یا مثنیٰ ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رح "حیات الاموات" میں لکھتے

ہیں کہ وقتِ سوال وغیرہ بدن کو ایک نوعِ حیات کی عود سے چارہ نہیں اگرچہ ہم اس کی کیفیت جزماً نہ جانیں۔

ب۔ علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ سوالِ نکیرین صرف رُوح سے ہوتا ہے کیونکہ رُوح ہی انسان کے تمام اعمال کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ بدن سے سوال نہیں ہوتا۔ اس جماعت میں مُحدّث ابن جوزی رح، ابن حزم رح اور ابنِ عقیل جیسے سربرآوردہ علماء شامل ہیں۔ امام سیوطی رح نے اس مسلک کو اس بناء پر غلط ٹھہرایا ہے کہ سوالِ نکیرین قبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر سوال صرف رُوح سے ہی ہوتا تھا تو پھر قبر کی تخصیص کی ضرورت نہیں تھی۔

ج۔ علماء کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ سوال صرف بدن سے (بغیر رُوح کے) ہوتا ہے۔ اس گروہ کے علماء میں ابن جریر رح قابلِ ذکر ہیں۔ جمہور علماء نے اس مسلک سے انکار کیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رح اس مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جماد (بے جان چیز) سے سوال یا اسے لذّت اور الم کا ایصال بداہتہً محال ہے۔ (حیات الاموات) یعنی بغیر رُوح کے بدن، پتھّر اور اس قسم کی دوسری بے جان اشیاء کی طرح محض جماد ہے اس لیے اس سے سوال کرنا یا اس کو لذت اور الم کا پہنچنا بداہتہً محال ہے۔

اس مسلک کے حامی گروہ کی دلیل یہ ہے کہ کئی احادیث سے ثابت ہے کہ عہدِ رسالت میں بعض موقعوں پر پتھروں (یعنی جماد) نے بھی کلام کیا

ہے اور بولنے کی یہ طاقت اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی خاص موقع پر بطورِ خاص عطا کی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ سوالِ نکیرین کے موقع پر بغیر رُوح کے بدن کو بھی قوتِ سماعت اور قوّتِ گویائی عطا کر سکتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ضغطۂ قبر یا قبر کا دباؤ

بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان کو ضغطۂ قبر سے سابقہ پڑتا ہے یعنی قبر اس پر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی دونوں اطرافِ جسمِ میّت سے مل جاتی ہیں۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ قبر کے دباؤ کے سبب میّت کے دونوں کندھے اور سینہ اور اس کی پسلیاں سرک جاتی ہیں۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ ضغطۂ قبر کافر کے لئے دوامی ہے اور مومن کے لئے ایک ثانیہ یا لمحہ کے لئے جو اس کو نزولِ قبر کے وقت پیش آتا ہے اس کے بعد اس کی قبر کشادہ ہو جاتی ہے اور ضغطۂ قبر مومن پر اس طرح ہو گا جیسے ایک بچہ اپنی مادرِ مہربان سے دردِ سر کی شکایت کرتا ہے اور ماں اس کے سر کو ہاتھ میں پکڑ کر نرمی سے دباتی ہے۔ کافروں کو قبر نہایت سختی سے دباتی ہے یہاں تک کہ ان کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ضغطۂ قبر مومنوں کے بعض گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

علماء کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ ضغطۂ قبر سے کوئی شخص نہیں بچتا حتیٰ کہ انبیاء اور بچے بھی لیکن کئی اکابر علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انبیائے کرام کو ضغطۂ قبر نہیں ہوتا۔ ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور صحابیہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضؓ کو ضغطۂ قبر نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے حضرت قاسم رضؓ اور حضرت ابراہیم رضؓ بھی جو صغر سنی میں وفات پا گئے تھے، ضغطۂ قبر سے محفوظ رکھے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ضغطۂ قبر کے مسئلہ میں بہت سے اشکالات ہیں جن پر بحث کرنا شکوک میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اکابر علماء کی ایک بڑی جماعت نے اس مسئلہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ اس ضمن میں جو بڑے بڑے سوالات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ قبر سے مراد مٹی کا تودہ یا گڑھا نہیں بلکہ عالمِ برزخ ہے پھر قبر کی دونوں اطراف میّت کے جسم سے مل جانے کا کیا مطلب ہے؟

۲۔ ضغطۂ قبر رُوح کو ہوتا ہے یا رُوح اور بدن دونوں کو؟

۳۔ کیا ضغطۂ قبر منکر نکیر کے سوال و جواب کے بعد پیش آتا ہے یا پہلے؟

۴۔ ضغطۂ قبر سے استثناء کی کیا حقیقت ہے؟

۵ کیا ضغطۂ قبر عذابِ قبر کا حصّہ ہے یا اس سے الگ؟

ان سوالات کے بارے میں مختلف علماء نے جو بحثیں کی ہیں اُن کا

خلاصہ یہ ہے :-

۱- قبر بلاشبہ برزخ کا دوسرا نام ہے اس لئے قبر کے دباؤ سے مُراد عالمِ برزخ کی کسی کیفیّت کا نام ہے۔

۲- جمہور علماء کی رائے میں موت کے بعد رُوح اور بدن صرف سوالِ نکیرین کے لئے جمع کئے جاتے ہیں اور کسی مقصد کے لئے نہیں۔ اس حالت میں بھی بدن کی نوعیت اور کیفیّت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ اس لئے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ضغطۂ قبر رُوح کو پیش آئے گا اور اگر اس کے ساتھ بدن کو بھی پیش آیا تو وہ مثالی بدن ہوگا نہ کہ دنیاوی۔

۳- بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو سب سے پہلے ضغطۂ قبر سے واسطہ پڑتا ہے اسی طرح کئی احادیث یہ ظاہر کرتی ہیں کہ مرنے کے بعد سب سے پہلے میّت کو سوالِ نکیرین کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور قبر کی تنگی یا کشادگی کا معاملہ اس کے بعد پیش آتا ہے۔ اگر پہلا نظریہ اختیار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ضغطۂ قبر عالمِ برزخ میں رُوح کی کسی کیفیّت کا نام ہے جو اس کو دنیوی جسم سے تعلق منقطع کرتے ہی پیش آتی ہے۔ دوسرا نظریہ اختیار کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قبر کی تنگی یا کشادگی کا انحصار میّت کی آزمائش کے نتیجہ پر ہے۔ جو مومن آزمائش (سوالِ نکیرین) میں پورے اتریں گے ان کے لئے ہمیشہ کی راحت ہوگی۔ اگر

کسی مومن میں کچھ کمی ہو گی تو وہ ضغطۂ قبر سے پوری ہو جائے گی۔ نافرمان اور کافر جو آزمائش میں پورے نہیں اتریں گے وہ ہمیشہ کے لئے ضغطۂ قبر میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ چونکہ ضغطۂ قبر کا مقصد بعض احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مومنوں کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ سے کچھ بعید نہیں کہ جو لوگ گناہوں سے مطلقاً پاک دنیا سے رخصت ہوئے ہوں وہ ان کو ضغطۂ قبر سے محفوظ رکھے۔ انبیائے کرام چونکہ معصوم ہوتے ہیں اسی لئے بعض علماء نے ان کو ضغطۂ قبر سے محفوظ قرار دیا ہے۔ کمسنی میں وفات پاجانے والے بچوں کو بھی اگر اللہ تعالیٰ ضغطۂ قبر میں مبتلا نہ کرے تو اس کی رحمت سے بعید نہیں۔ اسی طرح جن مومنین کو اللہ تعالےٰ موت کے وقت ہی بخش دے یا ان کا کوئی خاص عمل ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ضغطۂ قبر سے محفوظ رہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مرض الموت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (بکثرت اور سچے دل سے) پڑھے گا وہ ضغطۂ قبر سے مامون رہے گا۔ اس حدیث کو ان احادیث سے ملا کر پڑھا جائے جن میں کسی خاص شخص کا نام لے کر اس کو ضغطۂ قبر سے محفوظ قرار دیا گیا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ضغطۂ قبر سے استثناء کی بھی کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہے۔

۵۔ کافروں کے لئے تو ضغطۂ قبر بلاشبہ عذابِ قبر ہی کی ایک صورت

ہے البتہ مومنوں کے لئے یہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ گویا ضغطۂ قبر مومنوں کو عذابِ قبر سے بچانے کا ایک وسیلہ ہے اور یہ حق تعالےٰ کی خاص شانِ رحمت اور غفور الرحیمی ہے کہ اس نے عالم برزخ میں بھی مومنوں کے گناہوں کو بخشنے کی ایک صورت پیدا کر دی ہے۔

کن کن لوگوں سے قبر میں سوال و جواب نہ ہوگا

قبر کے سوال و جواب اور اس سے متعلق مختلف مسائل پر پیچھے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یہاں خدا کے ان مقبول بندوں کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جو متعدد احادیثِ صحیحہ کی رُو سے قبر میں سوال و جواب سے محفوظ رہیں گے۔ ان احادیث میں جن نفوسِ قدسی کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ شہداء۔ جس طرح شہداء کا جنتی ہونا قرآنِ حکیم کی واضح اور محکم آیات سے ثابت ہے اسی طرح ان کا فتنۂ قبر یا سوالِ نکیرین سے محفوظ رہنا بھی مستند احادیث سے ثابت ہے۔ طبرانیؒ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کافروں سے جنگ کرنے میں ثابت قدم رہا یہاں تک کہ غالب آیا یا قتل کیا گیا اس سے قبر میں سوال نہیں ہوتا۔

مسند نسائیؒ میں ایک روایت کے مطابق ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مومنین کا کیا حال ہے

کہ وہ تو اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں لیکن شہید نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا اس کے سر پر تلواروں کا چمکنا فتنۂ قبر سے کافی ہے

۲۔ مرابط۔ "رباط" اسلامی لشکر کے اس حصے کو کہتے ہیں جو لشکر سے آگے رہ کر لشکر کے لئے گھاس وغیرہ مہیا کرتا ہے اور کفّار کے لشکر سے خبردار اور ہوشیار رہتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر وہ کفّار سے جدال و قتال بھی کرتا ہے اور ان کو اسلامی سرحدوں میں داخل ہونے سے روکتا ہے اس لشکر سے متعلق لوگوں کو مرابط کہا جاتا ہے۔ کئی احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص حالت مرابطت میں مرتا ہے وہ فتنۂ قبر سے امن میں رکھا جائے گا۔ اور قیامت تک اس پر اس کا اجر جاری رکھا جائے گا نیز یہ کہ قیامت کے دن وہ شہید اٹھایا جائے گا۔ ایسی تین حدیثیں نیچے درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راہِ خدا میں ایک دن (اور ایک رات) حالتِ مرابطت میں رہنا مہینہ بھر کے روزہ اور قیام کے مانند ہے (یا اس سے بہتر ہے) اور جو کوئی بحالتِ مرابطت مرتا ہے اس پر اس کا عمل جاری رکھا جاتا ہے جس کو کہ وہ کرتا تھا اور وہ فتانین قبر (نکیرین) سے امن میں رکھا جاتا ہے اور قیامت کے روز وہ شہید اٹھایا جائے گا۔ (مسلم و طبرانی)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جو شخص راہِ خدا میں مرابط مرتا ہے تو اللہ اس پر اس کا عملِ صالح جس کو کہ وہ کرتا تھا جاری رکھتا ہے اور اس کا رزق جاری رکھتا ہے اور وہ فتانین قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اللہ اس کو گھبراہٹ سے بے خوف اٹھاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

۳۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر میّت کا اس کے عمل پر خاتمہ کیا جاتا ہے (یعنی مرنے کے ساتھ اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے) مگر جو کوئی راہِ خدا میں مرابط مرا ہو اس پر اس کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو اٹھائے اور نیز اس کو فتانین قبر سے امن میں رکھتا ہے۔ (امام احمدؒ و طبرانی)

اوپر کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ میدانِ جہاد میں قتل ہونے والے یا اپنی موت مرنے والے دونوں درجۂ شہادت پر فائز ہوں گے اور قبر کے سوال و جواب سے امن میں رہیں گے البتہ ان کے درجات میں فرق ہے جہاد فی سبیل اللہ میں قتل ہونے والوں کا درجہ بلند ہے اور حالتِ مرابطت میں فوت ہونے والے ان سے دوسرے درجے پر ہیں۔ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ صدیقین کا درجہ چونکہ شہدا سے بلند ہوتا ہے اس لئے وہ بھی قبر کے سوال و جواب سے مامون ہوں گے۔ اسی نظریے کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ انبیائے کرامؑ بھی قبر کے سوال و جواب سے محفوظ و مامون ہوں گے کیونکہ وہ شہداء و صدیقین سے

بہر حال اعلیٰ و برتر ہیں۔

۳۔ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اشخاص بھی فتنۂ قبر (سوالِ نکیرین) سے محفوظ رہیں گے جو کچھ خاص امراض میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے ہوں مثلاً اسہال، استسقاء یا پیٹ کی کوئی دوسری شدید بیماری۔ لیکن بعض علماء نے ان احادیث پر تنقید کی ہے اور ان کو موضوع قرار دیا ہے (ان علماء میں محدّث ابن جوزیؒ قابلِ ذکر ہیں) کچھ دوسرے علماء نے ان حدیثوں کی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ "جو لوگ حالتِ مرابطت میں پیٹ کی بیماری سے فوت ہو جائیں وہی فتنۂ قبر سے محفوظ رہیں گے عام لوگ نہیں"۔ لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ مرابطین کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں پیٹ کی بیماری کی تخصیص نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ جو شخص حالتِ مرابطت میں مر جائے اس سے قبر میں سوال و جواب نہیں ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرابط خواہ کسی بیماری یا حادثے یا کسی اور سبب سے فوت ہو جائے وہ بہر صورت فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا۔

۴۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان یومِ جمعہ یا شبِ جمعہ کو فوت ہوتا ہے اللہ اس کو فتنۂ قبر سے بچاتا ہے۔ اسی طرح کچھ احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص سونے سے پہلے الٓمٓ سجدہ اور سورۃ تبارک الذی پڑھتا ہے وہ سوالِ قبر اور عذابِ قبر سے بچایا جاتا ہے۔ بعض احادیث میں ان اشخاص کو بھی فتنۂ قبر سے محفوظ بتایا گیا ہے جو ہر رات سورۂ ملک پڑھتے ہیں۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یوم جمعہ یا شب جمعہ کو مرنے والا ہر شخص فتنۂ قبر سے محفوظ نہیں ہوگا بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ ظاہر ہے کہ مسلمان سے مراد وہ سچا مسلمان ہے جو قرآن و حدیث میں بیان کی ہوئی شرائط اسلام پر پورا اترتا ہو۔ اسی سے قیاس کرنا چاہیئے کہ سورۂ الٓم سجدہ یا تبارک الذی یا سورۂ ملک کی تلاوت پر مداومت کرنے والا وہی شخص فتنۂ قبر سے محفوظ ہوگا جو لفظاً و معناً مسلمان ہو۔

برزخ (قبر) کا عذاب و راحت

برزخ یا قبر کے عذاب و راحت پر متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی شاہد ہیں۔ اس عذاب و راحت کا آغاز موت کے بعد ہی سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نوح میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا۔ (ع-۲)

(وہ غرق کر دیئے گئے پھر فوراً ہی آگ میں داخل کئے گئے تو انہوں نے خدا کے سوا مددگار نہیں پائے۔)

یہ قوم نوحؑ کے طوفان نوحؑ میں غرق ہونے کا ذکر ہے۔ حق تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ ان لوگوں کو ڈوبنے کے ساتھ ہی آگ کے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

سورۂ انفال میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰۗئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ ج وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۙ
(ع - ۷)

(اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کو وفات دیتے ہیں ان کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو، یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔)

اس آیت سے بھی واضح ہے کہ عذابِ قبر موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور یہ عذاب ان گناہوں کی سزا کے طور پر دیا جاتا ہے جو انسان نے مرنے سے پہلے کئے تھے۔ اور بھی بہت سی آیتوں میں عذابِ برزخ کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عذاب کافروں نافرمانوں اور گناہ گار مسلمانوں کے لئے ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذابِ قبر سے۔

اللہ کے پاکباز بندوں اور مومنوں کو اللہ تعالےٰ نے رحمت ومغفرت اور بہشت کی نوید سنائی ہے۔ جونہی ان کی رُوح جسدِ خاکی سے جدا ہو گی رحمتِ الٰہی اس کو اپنی آغوش میں لے لے گی۔ سورہ نحل میں ارشاد

ہوا ہے:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، (ع-۴)

(جن لوگوں کو فرشتے پاک وصاف حالت میں وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلے جنّت میں چلے جاؤ)

سورۂ فجر میں ایک مومن رُوح کو جسمِ خاکی سے جدا ہوتے وقت یہ بشارت دی گئی ہے:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ، (ع-۱)

(اے مطمئن رُوح اپنے رب کے پاس واپس چلی جا تیرا رب تجھ سے خوش اور تو اپنے رب سے خوش تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔)

اسی طرح اور بھی بہت سی آیتوں میں مومنوں کو ان کی وفات کے ساتھ ہی جنّت میں داخل ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ یہی برزخ کی راحت یا رحمت ہے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے قبر کے عذاب و راحت کا آخرت کی دوسری اور حقیقی (ابدی) منزل سے گہرا تعلق ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ قبر دوزخ کے غاروں (یا گڑھوں) میں سے ایک غار (گڑھا)

ہے یا جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیثِ پاک سے یہ مراد ہے کہ قبر کا عذاب یا راحت بھی دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے اور قیامت یا یومِ جزاء کا عذاب اور راحت (دوزخ اور جنّت) بھی انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جو برزخ کے دائمی (یعنی منقطع نہ ہونے والے) عذاب میں مبتلا ہوا۔ قیامت کے دن بھی اس کا ٹھکانا جہنّم میں ہوگا۔ اگر کسی کو برزخ کے عذاب نے گناہوں سے پاک کر دیا (یعنی عذابِ برزخ اس کے گناہوں کا کفارہ بن گیا) تو وہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچ جائے گا اور اللہ تعالےٰ اس کو اپنی رحمت کے سائے میں لے کر جنّت میں داخل کرے گا اور جو موت کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت سے نوازا گیا اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہا وہ قبر میں بھی بہشت کا مزہ پائے گا اور قیامت کے دن بھی بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ برزخ کے عذاب و راحت کی نوعیّت کیا ہوگی۔ کیا رُوح اور جسم دونوں اس سے متأثر ہوں گے یا صرف رُوح؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ برزخ کی زندگی رُوح کی ایک طویل اور گہری نیند کے مشابہ ہے اسی طرح احادیثِ صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ برزخ کے عذاب و راحت سے روح اور جسم دونو متأثر ہوتے ہیں البتہ مادی دنیا اور برزخ کی تکلیف اور راحت میں یہ فرق ہے کہ مادی دنیا میں تکلیف اور راحت سے جسم براہِ راست متأثر ہوتا ہے اور رُوح کو جو دکھ یا راحت پہنچتی ہے

وہ مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس برزخ کے عذاب و راحت سے رُوح براہِ راست متاثر ہو گی اور جسم رُوح کے واسطے سے متاثر ہو گا

ایک اور فرق یہ ہے کہ دنیا میں رُوح کو ایک خاکی جسم دیا گیا تھا لیکن برزخ میں اس کو جو جسم دیا جائے گا وہ مادّہ و مادیت سے یکسر پاک ہو گا۔ اگرچہ اس کو دنیا کے جسمِ خاکی سے ایک قسم کی نسبت ہو گی۔ عالمِ برزخ میں رُوح کو جو جسم دیا جاتا ہے وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے جو اس کے دنیاوی (مادی) جسم کا مثنیٰ (ہو بہو نقل) ہوتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب برزخ کی زندگی روح کی ایک طویل اور عمیق نیند سے مشابہت رکھتی ہے تو پھر رُوح اور جسم برزخ کے عذاب و راحت سے کیسے متاثر ہوں گے۔ بنظرِ تعمق دیکھا جائے تو اس سوال کا جواب فی الحقیقت سوال کے اندر ہی پوشیدہ ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ایک آدمی اپنے بستر پر سویا پڑا ہے خواب میں وہ کچھ اس قسم کے مناظر دیکھتا ہے کہ (۱) وہ کسی پہاڑی کی چوٹی پر ہے اور کوئی اس کو اٹھا کر زمین پر دے مارتا ہے جس سے اس کی ہڈی پسلی چکنا چور ہو جاتی ہے۔ (۲) وہ گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔ گاڑی کو کوئی حادثہ پیش آتا ہے اور وہ اس میں سخت زخمی ہو جاتا ہے۔ (۳) وہ آگ کے بھڑکتے ہوئے الاؤ میں گر پڑتا ہے اور اس کا جسم جلنے لگتا ہے۔ (۴) وہ کسی پُر فضا اور سرسبز و شاداب باغ میں ہے اور اس کی بہاروں سے

لطف اندوز ہو رہا ہے۔ (۵) وہ کسی جگہ جا رہا ہے اور راستے میں اس کو ڈھیروں دولت مل جاتی ہے۔

یہ سب واقعات اس کو عالمِ خواب میں پیش آتے ہیں لیکن ان سے اس کو وہی دکھ اور راحت ملتی ہے جو عالمِ بیداری میں مل سکتی تھی۔ لیکن حقیقت کیا ہے؟ اس کا جسم اپنے بستر پر پڑا ہے نہ وہ پہاڑ سے گر کر ریزہ ریزہ ہوا نہ کسی حادثے میں زخمی ہوا نہ آگ میں جلا نہ باغ کی سیر سے لطف اندوز ہوا اور نہ اس کو مال و زر ملا۔ سونے والے نے خواب میں اپنے جس جسم کو دیکھا وہ اس کا مثالی جسم تھا جو بستر پر پڑے ہوئے اس کے مادی جسم کا مثنیٰ تھا۔ بعینہٖ اسی طرح عالمِ برزخ میں بھی انسان کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا جو بالعموم اس کے دنیاوی (خاکی) جسم کا ہو بہو عکس ہوگا۔ بعض حالتوں میں انسان کے اعمال کسی دوسری صورت میں بھی متشکل ہو کر سامنے آ سکتے ہیں یا اس کی رُوح کو کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کر دیا جاتا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ مثالی جسم کا عذاب و راحت فی الحقیقت رُوح کا عذاب و راحت ہے کیونکہ اعمال کی ذمہ دار رُوح ہے خاکی جسم نہیں۔ اس حقیقت کو سورۂ مدثر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ۔

(ہر جان اپنے اعمال کے ہاتھ گرو ہوگی)

مختصر یہ کہ قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی میں قبر کے عذاب و راحت

کے سلسلہ میں جس جسم کا ذکر آتا ہے وہ انسان کا مثالی جسم ہے مادی جسم نہیں جو اکثر حالتوں میں گل سڑ کر مٹی بن جاتا ہے۔ (بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیائے کرام اور دوسرے خاصانِ خدا کے اجساد کو زمین پر حرام کر دیا گیا ہے یعنی وہ ان اجساد کو نہیں کھاتی۔)

برزخ کے عذاب و راحت کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو وہ ہے جو صحیح مسلم کی اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس کو صبح و شام اس کا اصلی مقام دکھایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہے تو اس کو جنّت دکھائی جاتی ہے اگر دوزخی ہے تو اس کو دوزخ دکھایا جاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام اس وقت تک کے لئے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے"۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونوں کے منظر پیش کئے جاتے ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو نیک عمل نہ کرتا تو تیرا مقام دوزخ ہوتا مگر تیرے نیک عمل کی بدولت اب یہ جنّت تیرا مقام ہے۔

قبر کے عذاب و راحت کی دوسری صورتیں وہ ہیں جو کتبِ اور احادیث میں مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہیں۔ ایسی چند احادیث کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کافر پر اس کی قبر میں ننانوے اژدہے مسلّط کئے

جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک ڈستے رہیں گے۔ ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلعم سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں کہ ان میں سے ہر اژدہے کے نو نو سر ہوتے ہیں وہ اس کافر کو ڈستے ہیں پیٹتے ہیں اور پھنکاریں مارتے ہیں۔ قیامت تک یہی حال رہتا ہے۔ (احمدؒ و ابو یعلیٰؒ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کافر پر دو سانپ مسلّط کئے جاتے ہیں ایک اس کے سر کی جانب اور دوسرا پیروں کی جانب۔ وہ کافر کو کترتے ہیں۔ جب فارغ ہو جاتے ہیں تو پھر اپنا عمل شروع کر دیتے ہیں اور قیامت تک (ایسا ہی کرتے رہیں گے) (مسند احمدؒ)

حضرت حسن رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے اصحاب میں سے کسی کو بُرا کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک جانور کو مسلّط کر دیگا وہ روزِ قیامت تک اس کو پھاڑتا رہے گا۔ (ابن ابی الدنیاؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کافر پر قبر میں دو جانور اندھے بہرے مسلّط کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے۔ اس گرز کا سر ایسا ہوتا ہے جیسے وہ ڈول جس سے اونٹوں کو پانی پلاتے ہیں۔ وہ جانور اس کافر کو ان گرزوں سے قیامت تک مارتے رہیں گے۔ نہ آنکھ رکھتے ہیں کہ اس کا حالِ زار دیکھ کر اس پر رحم کریں نہ کان رکھتے ہیں کہ اس کی چیخ پکار سنیں۔ (کیمیائے سعادت)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان (پاکباز) کے لئے اس کی قبر ایک سبز چمن ہوگا اور اس کی قبر کو ستر گز فراخ کیا جائے گا اور (چاندکی) چودھویں رات کی طرح اس کو روشن کیا جائے گا۔ (ابن مندہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ (مسلمان پاکباز) مسافر کی قبر کو اسقدر فراخ کر دیا جاتا ہے جتنا کہ وہ اپنے اہل وعیال سے دُور ہے۔ (ابن مندہ)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ "حدیث شریف میں ہے کہ بندہ شائستہ (نیکوکار مسلمان) کو جب قبر میں رکھتے ہیں تو اس کے نیک اعمال اس کو گھیر لیتے ہیں اور اسے عذاب سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جب عذاب کے فرشتے بائیں جانب سے آتے ہیں تو نماز سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ نہ، یہ رضائے الٰہی کی خاطر بہت کھڑا رہا ہے اور جب سرہانے کی طرف سے آتے ہیں تو روزہ کہتا ہے کہ نہ، اس نے دنیا میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے بڑی بھوک پیاس برداشت کی ہے اور جب بدن کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں کہ نہ، اس نے خدا کی راہ میں بڑی صعوبتیں اٹھائی ہیں۔ جب ہاتھ کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے کہ اے فرشتو! تم اس سے دست بردار ہو جاؤ کہ اس نے اس ہاتھ سے راہِ خدا میں بہت صدقہ دیا ہے۔ پس عذاب کے فرشتے اس مردے سے کہتے

ہیں کہ تو خوش رہ اور تجھے مبارک ہو۔ پھر رحمت کے فرشتے آتے ہیں قبر میں بہشت کا فرش بچھاتے ہیں اور قبر کو حدِّ نظر تک وسیع کر دیتے ہیں اور جنّت کی ایک قندیل لاکر لٹکا دیتے ہیں تاکہ وہ مردہ قیامت تک اس کی روشنی میں رہے۔"

قبر کے عذاب و راحت کی ان صورتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے کچھ کا مشاہدہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب کو اور رویائے صادقہ میں کرایا گیا۔ کئی دوسرے خاصانِ خدا کے مشاہدۂ برزخ کے حالات بھی کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان سب سے ثابت ہوتا ہے کہ برزخ کا عذاب و رحمت فی الحقیقت انسان کے دنیاوی اعمال کا مثالی ظہور ہوتا ہے۔ یہ ظہورِ اعمال ایک درخت کی نشو و نما کے دوسرے مرحلے سے مشابہ ہے۔ درخت کی نشو و نما کا پہلا مرحلہ اس کا بویا جانا (یعنی بیج ڈالنا) ہے۔ دوسرا مرحلہ اس کا زمین سے اُگنا ہے اور تیسرا مرحلہ اس پر پھل پھول آنے کا ہے۔ تو اعمال کا پہلا مرحلہ وہ ہے جس میں ان کا صدور ہو۔ یہ مرحلہ دنیا میں طے کیا جاتا ہے۔ ان کا دوسرا مرحلہ وہ ہے جس میں ان کا مثالی ظہور ہوتا ہے۔ یہ ظہور لا محالہ عالمِ برزخ میں ہوگا۔ ان کا تیسرا مرحلہ وہ ہے جس میں ان کا حقیقی ظہور ہوگا۔ اور ہر انسان کو اپنے اعمال کا حقیقی بدلہ ملے گا۔ یعنی تمام اعمال اپنے منطقی نتیجہ کو پہنچیں گے۔ یہ مرحلہ قیامت یا جزا کے دن طے ہوگا۔ دنیا کو اسی لئے آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ (اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ) کہ جو عمل یہاں کیا جاتا ہے

(یا جو کچھ یہاں بو یا جاتا ہے) قبر اور قیامت میں بعینہٖ اسی کے مطابق بدلہ ملے گا نہ کم نہ زیادہ۔ (یعنی جو کچھ بویا گیا ہے وہی کاٹا جائے گا۔) ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا بدلہ کیا ہے؟ قرآن و حدیث میں اس کا نہایت واضح جواب دیا گیا ہے۔ کفر و شرک اور دوسرے برے اعمال کا بدلہ برزخ اور قیامت کا عذاب ہے۔ اس عذاب کی کئی صورتیں ہیں جو اعمالِ بد کی نوعیت سے خاص مناسبت رکھتی ہیں۔ نیک اعمال کا بدلہ برزخ میں راحت اور قیامت میں جنّت کی صورت میں ملے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے خاصانِ خدا کے مشاہداتِ برزخ سے اعمال کے آثارِ برزخی کی کیفیّت کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے مثلاً فجر کی نماز سے غفلت کرنے والے کو برزخ میں یہ سزا دی جائے گی کہ اس کا سر پتھر سے کچلا جائے گا پھر اسے ٹھیک کر دیا جائے گا پھر اسے کچلا جائے گا اور یہ عمل اسی طرح جاری رہے گا۔

جو شخص صبح کو گھر سے نکلتا ہے اور جھوٹی باتیں پھیلاتا پھرتا ہے برزخ میں اس کے کلّے، نتھنے اور آنکھیں بار بار گدّی تک چیری جاتی ہیں۔ زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کو برزخ میں یہ سزا دی جائے گی کہ ان کو برہنہ کر کے ایک بھڑکتے ہوئے تنور میں پھینک دیا جائے گا اور وہ اس میں جلتے رہیں گے۔ سود خوار کا برزخی عذاب یہ ہو گا کہ اس کو خون

کی ایک نہر میں پھینک دیا جائے گا جب وہ اس میں تیر کر کنارے پر پہنچنے کی کوشش کرے گا تو اس کے منہ پر ایک پتھر پھینکا جائے گا جو اس کے پیٹ میں اتر جائے گا اور وہ کنارے سے دور ہٹ جائے گا پھر کنارے کی طرف آنے کی کوشش کرے گا اور پھر اس سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ غرض اسی طرح دوسرے اعمالِ بد کی سزائیں بھی مختلف صورتوں میں دی جائیں گی۔ (ان کی تفصیل مشاہداتِ برزخ کے عنوان میں بیان کی جائیگی۔)

برزخ میں رُوحوں کے ٹھہرنے کی جگہ

جس طرح دنیا میں نیک اور برے انسانوں کے مختلف طبقے اور درجے ہیں اسی طرح برزخ میں بھی نیک اور بد روحوں کے ٹھہرنے کے مقامات بھی مختلف درجوں اور طبقوں پر مشتمل ہیں اللہ کے نیک بندوں میں انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین مومنین سبھی شامل ہیں لیکن ان سب کے مراتب الگ الگ ہیں۔ برزخ میں ان سب کی ارواح مقدسہ بلاشبہ رحمتِ الٰہی کی آغوش میں ہونگی لیکن ان کے قیام کی خاص جگہ اپنے اپنے درجہ کے مطابق ہوگی۔ ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کا درجہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس لئے ان کی ارواحِ پاک کو اعلیٰ ترین مقام عطا کیا جائے گا۔ ان کے بعد صدیقین شہداء اور دوسرے صالحین و مومنین کی ارواح کو اپنے اپنے درجہ کے مطابق مستقر عطا کیا جائے گا اس درجہ کا تعین دنیا میں کئے ہوئے اعمال کے مطابق کیا جائیگا۔

اسی طرح برے لوگوں میں کفار مشرکین اور گنہگار مسلمان سبھی شامل ہیں اور قبر (برزخ) میں ان سب کی ارواح عذاب میں مبتلا کی جائیں گی لیکن ہر ایک کے عذاب کی نوعیت اس کے اعمال کے مطابق مختلف

ہو گی۔ کوئی دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور کوئی منقطع ہو جانے والے عذاب میں۔ کسی کو آگ میں ڈالا جائے گا تو کسی پر اژدہے اور کیڑے مسلّط کئے جائیں گے۔ کسی کا سر پتھروں سے کچلا جائے گا تو کسی کو سڑا ہوا گوشت کھلایا جائے گا۔

قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے نیک اور بد ارواح کے برزخی مستقر کے بارے میں جو اشارے ملتے ہیں نیز علمائے اسلام نے اس موضوع پر جو طویل بحثیں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواحِ مقدّسہ کا مستقر جنّت کے مختلف مدارج میں ہے۔ یہ مدارج آسمانوں کو بھی محیط ہیں جیسا کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان ارواح کو جنت اور آسمانوں کے مختلف مدارج میں دیکھا۔ (حضورؐ کے سفرِ معراج اور رویائے صادقہ میں ان کی تفصیل موجود ہے) یہ پاک روحیں بہشت میں رزق پاتی ہیں، عبادتِ الٰہی کرتی ہیں اور نعمتیں حاصل کرتی ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عالمِ برزخ میں انبیائے کرام کی ارواح کے مستقر کا نام علّیّین ہے۔

۲۔ صدیقین کی ارواحِ پاک کا مستقر بھی جنّت میں ہے۔ اگرچہ اس کا درجہ انبیائے کرامؑ کی ارواحِ مقدسہ کے مستقر سے نیچے ہے۔

۳۔ شہداء۔ انبیائے کرام اور صدیقین کے بعد شہداء کا درجہ ہے۔ جو لوگ راہِ حق میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں چنانچہ سورۂ

بقرہ میں ہے:-

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ؕ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ - (ع-۱۹)

(جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں کر سکتے)

یہی مضمون سورہ آل عمران میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ؕ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۙ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَّأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ - (ع-۱۷)

(اور تو ان کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے مردہ گمان نہ کر بلکہ وہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ ان کو روزی دی جاتی ہے۔ خدا نے اپنے فضل سے ان کو جو دیا ہے اس پر خوش ہیں اور جو ابھی ان کے پیچھے سے ان تک نہیں پہنچے ان کی طرف سے بھی خوش ہیں کہ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کے فضل اور نعمت سے خوش ہیں اور اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء اپنے رب کے پاس زندہ

ہیں اور ان کو روزی دی جاتی ہے۔ مفسرین کا قول ہے کہ شہدا کی اس زندگی کو دنیا کی مادی زندگی پر قیاس نہیں کرنا چاہیے یہ اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع زندگی ہے جس کا عقلِ انسانی شعور نہیں کر سکتی۔ شہیدوں کی ارواح کے بارے میں ایسی احادیث تواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح سبز پرندوں کی صورت میں جنّت کی سیر کرتی پھرتی ہیں کھاتی پیتی ہیں۔ (بہشت کی نعمتوں سے لذت یاب ہوتی ہیں) اور عرشِ الٰہی کی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ وہ سفید پرندوں کی صورت میں بھی ہوتی ہیں۔ بعض سعید روحوں کے متعلق احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ اپنے مادی قالب سے نکل کر فرشتوں کی معیّت اختیار کر لیتی ہیں۔ (یہ معیّت ان کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے) حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ (جنگِ موتہ میں) شہید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ وہ حضرت جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کے ساتھ پرواز کر رہے تھے۔ ان کے دو (اڑنے والے) بازو تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان بازوؤں کے عوض مرحمت فرمائے تھے جو جنگ میں شہید ہو گئے تھے (ان کے جسم سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے) حضرت جعفرؓ نے حضورؐ کو سلام کیا اور آپ کو بتایا کہ خدا نے مجھے اپنے (دنیاوی) بازوؤں کے عوض یہ دو (اڑنے والے) بازو عطا فرمائے اور ان کے ساتھ میں جبرئیل اور میکائیل کے ہمراہ جہاں چاہتا ہوں جنّت میں اڑتا پھرتا ہوں اور

جہاں چاہتا ہوں جنّت میں اتر تا ہوں اور جو چاہتا ہوں اس کے پھلوں سے کھاتا ہوں۔

حضرت جعفرؓ کو اسی خصوصیّت کی بناء پر "طیّار" کا لقب حاصل ہوا۔

۵۔ کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کی روحوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ۔ (اعراف۔۵)

(بیشک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنّت میں داخل ہوں گے تاآنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ آیات الٰہی سے انکار کرنے اور جھٹلانے والوں کی موت کے بعد ان کی روحوں کو آسمان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور وہ آسمان اور زمین کے درمیان آوارہ پھرتی رہینگی جہاں وہ اپنے مادی جسموں سے جدا ہوئیں منڈلاتی رہیں گی۔ اسی جگہ ان کو اپنے اعمال کے مطابق عذاب دیا جائے گا۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ کافروں کی ارواح کے برزخی مستقر کا

نام سجین ہے جو دوزخ کے قریب ہے (یا وہاں سے دوزخ کو راستہ جاتا ہے) یہیں سے ان کو صبح و شام دوزخ میں اپنا ابدی ٹھکانا دکھایا جاتا ہے اور یہیں وہ برزخ کے گوناگوں عذاب میں مبتلا کی جاتی ہیں بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ کافروں کی روحیں سیاہ پرندوں کی صورت میں ہوں گی۔ مسلمان گناہ گاروں کی رُوحوں کے متعلق احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب تک ان کے گناہ (برزخ کا عذاب پاکر) معاف نہ ہوں وہ بھی زمین اور آسمان کے درمیان رہتی ہیں اور برزخِ زمین میں پھرتی رہتی ہیں۔ البتہ بعض کو زیادہ اور کبیرہ گناہوں کی وجہ سے سیر کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور ان کو برزخ میں اپنے جسموں سے لگاؤ والی جگہ میں محبوس رکھا جاتا ہے تا آنکہ عذاب برزخ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔

جمہور علمائے اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ برزخ میں ارواحِ انسانی کا مستقر خواہ کسی جگہ بھی ہو ان کو اپنے جسموں سے اتصالِ معنوی ہوتا ہے یعنی ایک خاص قسم کا تعلق باقی رہتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ برزخ میں روحوں اور جسموں کا اتصال اس اتصال کے مشابہ نہیں جو دنیا میں تھا بلکہ اگر مشابہت دی جاسکتی ہے تو سونے والے کے حال سے دی جاسکتی ہے۔ مطلب یہ کہ روحوں کو مثالی جسم عطا کیے جاتے ہیں جو مادہ اور مادیات سے بری ہوتے ہیں۔ رُوح کو عذاب دیا جاتا ہے تو یہ اجسام بھی اس عذاب سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر برزخ

کے عذاب وراحت کے باب میں تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے۔

عذابِ برزخ مسلمان کے گناہوں کا کفارہ ہے

بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ کے جو افراد اپنے گناہوں کی وجہ سے عذابِ برزخ میں مبتلا کئے جائیں گے یہ عذاب ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ (البتہ جن لوگوں نے شرک اور کفر جیسے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا عذابِ برزخ ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں بن سکے گا۔ ان کو عذابِ دوزخ میں ضرور مبتلا کیا جائے گا)۔ یہ اسی قسم کا کفارہ ہے جیسے دنیاوی زندگی میں ایک مسلمان کی ہر (جسمانی یا روحانی) تکلیف اس کے کسی گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔ اگر دنیاوی زندگی کے کفارے کسی مسلمان کو گناہوں سے پاک وصاف کر دیں تو یہ اس کی خوش بختی کی دلیل ہے کیونکہ اس صورت میں حق تعالیٰ کی رحمت و شفقت سے امید ہے کہ وہ اس کو عذابِ برزخ میں مبتلا نہیں کرے گا اور جو عذابِ برزخ سے بچ گیا وہ قیامت میں بھی سرخرو ہوگا اور جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اگر دنیاوی زندگی کے کفارے کسی مسلمان کے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے کافی نہ ہوئے تو پھر عذابِ برزخ ان کے باقیماندہ گناہوں کا کفارہ بنے گا۔ یہاں تک کہ وہ پاک وصاف ہو کر بہشت میں داخل ہونے کے قابل ہو سکے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری

اُمت کے لوگوں کو زیادہ تر عذاب ان کی قبروں میں ہوگا۔ اس حدیثِ پاک کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امتِ محمدیہؐ کے اکثر لوگ قیامت کے عذاب سے محفوظ رہیں گے کیونکہ وہ زیادہ عذاب "عالمِ برزخ" میں ہی بھگت چکے ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کا اپنی قبروں میں طولِ قیام ان کو گناہوں سے خالص کرنا ہے۔

امام ابن قیمؒ نے کفارۂ گناہ کے اس فلسفہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "اگر ان امراض (گناہوں) کا یہ علاج (یعنی مسلمان کی ہر تکلیف کا اس کے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ بننا) اس دنیا میں نجات کے لئے پورا ہوگیا تو خیر ورنہ برزخ کی سزا سے علاج کیا جائے گا۔ تو اگر یہ نجات کے لئے کافی ہوگیا تو خیر ورنہ پھر قیامت کا مقام اور اس کی ہولناکیاں باقی بیماریوں سے نجات دلوائیں گی۔"

برزخ کے عذاب کو گناہوں کا کفارہ بنانے میں یہ حکمت ہے کہ بہشت میں صرف پاکباز اور گناہوں سے پاک وصاف لوگ ہی داخل ہوسکیں گے ایک گناہ گار مسلمان کو عذابِ برزخ میں مبتلا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہوجائے اور اس کو بہشت میں داخل ہونے کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ جائے۔

عذاب برزخ کا منقطع ہونا

امام ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ عذاب قبر (یا عذاب برزخ) دو قسم ہے ایک دائم (جو ہمیشہ رہتا ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوتا) اس عذاب میں کفار مشرکین اور بعض خاص قسم کے گناہ گار مبتلا کیے جاتے ہیں۔ دوسرا منقطع (جو کسی نہ کسی وقت منقطع ہو جاتا ہے) اس میں وہ گناہ گار مسلمان مبتلا کیے جائیں گے جن کے گناہ ہلکے ہیں یا قابلِ تلافی ہیں ایسے لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق برزخ میں سزا پائیں گے پھر ان سے یہ عذاب دُور ہو جائیگا اور وہ نہ صرف قیامت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں گے بلکہ جنّت کے حقدار بن جائیں گے

علمائے اہلِ سنت کہتے ہیں کہ کبھی یہ عذاب صدقہ اور دعا کی بدولت بھی منقطع ہو جاتا ہے اسی لیے میّت کے ایصال ثواب اور اس کی مغفرت کے لیے دعا مانگنے کی تاکید کی گئی ہے۔

امام یافعیؒ کا قول ہے کہ شب جمعہ اور روزِ جمعہ کو عذابِ برزخ منقطع ہو جاتا ہے اور یہ تخفیف صرف مسلمان گناہ گاروں کے لئے ہے۔ امام نسفیؒ کے نزدیک عذابِ برزخ میں یہ تخفیف تمام مُردوں کے لئے ہے اور وہ شب جمعہ اور یومِ جمعہ کے علاوہ رمضان المبارک کے سارے مہینے میں بھی رہتی ہے۔

مسلمان گناہ گاروں کے بارے میں امام نسفیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان

سے شبِ جمعہ یا یومِ جمعہ کو عذابِ برزخ دور کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ قیامت تک اس میں مبتلا نہیں کیے جاتے لیکن جمہور علماء امام نسفی رحؒ کے مسلک سے متفق نہیں ہیں۔ وہ مسلمان گناہگاروں کے عذابِ برزخ کے کبھی نہ کبھی منقطع ہونے کے تو قائل ہیں لیکن اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ شبِ جمعہ یا یومِ جمعہ کو عذابِ برزخ کا انقطاع قیامت تک کے لئے ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

روحیں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں

احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ روحیں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں، ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں اور باہم گفتگو کرتی ہیں۔ یہ ملاقات دو قسم کی ہے۔

۱۔ انسان کے مرنے کے بعد اس کی رُوح پہلے مرے ہوئے انسانوں کی ارواح سے ملاقات کرتی ہے۔

۲۔ زندہ انسان کے عالمِ خواب میں اسکی رُوح دوسرے زندہ انسانوں اور مُردوں کی رُوحوں سے ملاقات کرتی ہے۔

پہلی قسم کی ملاقات کے بارے میں حضرت عبید بن عمیر رضؓ سے مروی ہے کہ اہلِ قبور میت کے ایسے امیدوار رہتے ہیں جیسے کوئی کسی سوار (کی آمد) کی امید رکھتا ہو اور اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کا کیا ہوا تو وہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے بھی پہلے مر چکا ہے۔ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا تو وہ

(اہلِ قبور) کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن - اس کو کسی دوسرے راستے پر لے گئے جو اس کی ماں ہاویہ (دوزخ) کی طرف جاتا ہے -

اس حدیث کو کچھ دوسری حدیثوں سے ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندۂ مومن کی رُوح کا ذکر ہے جو دوسرے مومنوں کی روحوں سے ملتی ہے - ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب کوئی بندۂ مومن مرتا ہے تو اس کو اس کے اہل اور اقارب (جو اس سے پہلے مر چکے ہیں) کی روحیں گھیر لیتی ہیں - اس سے مرنے والے کی رُوح بہت خوش ہوتی ہے - (گویا یہ بھی بندۂ مومن کے لئے حق تعالیٰ کا انعام ہے -)

دوسری قسم کی ملاقات کے بارے میں نہ صرف بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں بلکہ اس کا اکثر مشاہدہ بھی کیا جاتا ہے کہ زندہ مُردہ کو خواب میں دیکھتا ہے اور وہ اس کو غیب کی باتوں کی خبر دیتا ہے (مثلاً فلاں جگہ کھودو تو تم کو یہ چیز ملے گی یا فلاں وقت یہ واقعہ ظہور پذیر ہوگا وغیرہ) چنانچہ مردہ کی دی ہوئی خبر بالعموم صحیح نکلتی ہے - حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ "خواب میں زندوں اور مردوں کی روحیں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے کا حال دریافت کرتی ہیں - اللہ تعالیٰ مُردوں کی روحوں کو تو (عالمِ برزخ میں) روک لیتا ہے اور زندوں کی روحوں کو اُن کے جسموں کی جانب پھیر دیتا ہے "- اس باب میں متعدد دوسری حدیثوں اور عام مشاہدے سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندوں اور مردوں کی ارواح ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت ہر قسم کی

گفتگو کرتی ہیں۔ اس گفتگو کا تعلق عالمِ آخرت (برزخ) سے بھی ہوتا ہے اور دنیاوی معاملات سے بھی۔

مشاہدات برزخ

قبر کے عذاب و راحت کا آنکھوں دیکھا حال

قبر یا برزخ، ارواح و نفوس اور اسرار الٰہی کی دنیا ہے۔ اس کے احوال و کیفیات کو پوری طرح سمجھنا عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ تاہم متعدد احادیث اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مقامِ برزخ کے آثار دنیا تک بھی آجاتے ہیں اور زندوں (یعنی اس مادی دنیا کے لوگوں) کو بھی حواس خمسہ کے ذریعے برزخ کی حالت محسوس کرادی جاتی ہے (بلکہ بعض کو تو عذاب قبر دکھلا کر اس عذاب کا کچھ مزہ بھی چکھا دیا جاتا ہے) علمائے دین فرماتے ہیں کہ ایسے مشاہدات و واقعات کی حکمت یہ ہے کہ زندوں کو عبرت دلائی جائے اور ان کو آخرت کا سامان مہیا کرنے کی طرف راغب کیا جائے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ جن خاصانِ خدا کو معرفتِ الٰہی حاصل ہو جاتی ہے وہ اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے بھی برزخ کے احوال و کیفیات کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اپنے اس نظریئے کی وضاحت وہ اس طرح کرتے ہیں کہ "مرنے سے انسان کی ذات اور خاص صفات زائل نہیں ہوتیں لیکن اس کے حواس، حرکات اور خیالات جو دماغ

اور اعضاء کے واسطے سے ہی زائل ہوجاتے ہیں۔ قالب (جسم) انسانی کی مثال گھوڑے کی سی ہے اور رُوح کی مثال اس گھوڑے کے سوار کی سی ہے۔ گھوڑا مرجاتے تو اس کا سوار اگر جولاہا (معنی جاہل) ہے تو وہ عالم نہیں بن جائے گا اور اگر اندھا ہے تو بینا نہیں ہوجائے گا البتہ وہ پیادہ ضرور ہوجائے گا۔ عالم برزخ میں انسان کی یہی کیفیت ہوگی اور ایک عام انسان کو یہ کیفیت یقیناً موت کے بعد ہی پیش آئے گی۔ لیکن جن لوگوں کو معرفتِ الٰہی حاصل ہوجاتی ہے وہ موجودہ زندگی میں ہی جب خدا کی یاد میں ڈوبتے ہیں یعنی مراقبہ کرتے ہیں تو مادی زندگی کی آلائشوں اور محسوسات سے الگ ہوجاتے ہیں۔ ان کی رُوحِ حیوانی اگرچہ اعتدال سے پھر نہیں سکتی لیکن سست ہوجاتی ہے اس سبب سے خوفِ خدا اور اندیشۂ عقبیٰ جب اس میں پیدا ہوجاتا ہے تو روحِ حیوانی ان کی ذات کو اپنی طرف کچھ بھی مشغول نہیں رکھتی۔ اس وقت ان لوگوں کا حال مردے کے حال سے قریب ہوجاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو مرنے کے بعد جو کچھ معلوم ہوتا ہے ان کو یہیں (اسی مادی دنیا میں) معلوم ہوجاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے آپ میں آتے ہیں اور عالمِ محسوسات میں پڑتے ہیں تو بہتوں کو اس میں سے کچھ بھی یاد نہیں رہتا لیکن اس کا کچھ اثر باقی رہ جاتا ہے اگر بہشت کی حقیقت ان کو دکھائی گئی ہے (عالمِ مراقبہ میں) تو اس کی خوشی اور راحت ان کے ساتھ باقی رہتی ہے اور اگر ان کو دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا ہے تو اس کی اداسی اور خستگی ان کے ساتھ باقی رہتی ہے اور اگر اس

میں سے ان کو کچھ یاد رہ گیا ہو تو اس کی خبر دیتے ہیں اور اگر خزانۂ خیال نے اسے کسی مثال سے تعبیر کر لیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ مثال انہیں خوب یاد رہے اور اس کی خبر دیں۔" گویا مشاہدہ برزخ کی ایک صورت تو صرف خاصانِ خدا کے لئے ہے اور دوسری صورت وہ جس میں کسی خاص و عام کی تخصیص نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے کسی بھی انسان کو عبرت دلانے کے لئے برزخ کی کسی کیفیت کا مشاہدہ کرا دے۔ مشاہداتِ برزخ کے سلسلے میں ہم یہاں چند احادیث و روایات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

شبِ معراج کے مشاہدات

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے کئی احادیث میں بہت سے اسرار و مناظر کا ذکر ہے جو حضورؐ نے شبِ معراج میں دیکھے۔ یہ تمام اسرار و مشاہدات یقینی طور پر عالمِ برزخ سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

مجاہدین فی سبیل اللہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کی فصل ایک ہی دن میں تیار ہو جاتی تھی اور وہ اسے ہر روز کاٹ لیتے تھے۔ کٹنے کے بعد فصل، ویسی ہی تیار ہو جاتی تھی۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں مال و جان کے ساتھ جہاد کیا۔ ان کو ہر نیکی کا سات سو

گنا اجر ملتا ہے اور وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں حق تعالیٰ ان کو اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔

علمائے سُوء

رسول کریمؐ نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے جب کٹ چکتے تو پھر ویسے ہی ہو جاتے جیسے کاٹنے سے پہلے تھے۔ ان کو پھر کاٹا جاتا۔ غرض یہ عمل متواتر جاری رہتا۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ امتِ محمدیہؐ کے وہ علمائے سُوء ہیں جو لوگوں کو راہِ حق سے ہٹا کر گمراہی میں مبتلا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ان لوگوں کی یہ تعریف کی گئی کہ یہ وہ خطیب ہیں جو دوسروں کو تو نصیحت کرتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

چغلخور اور عیب چین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹ کاٹ کر ان کو کھلایا جا رہا تھا۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلخوری اور عیب چینی کیا کرتے تھے۔

غیبت کرنے والے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم دیکھی جن کے ناخن تانبے

کے تھے وہ ان سے اپنے سینوں اور چہروں کو بار بار چھیلتے تھے۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔

سُود خوار

رسول اکرمؐ کا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے جتنا کوئی مکان ہو۔ ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے دکھائی دے رہے تھے۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ سود کھاتے تھے۔

زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے

رسول اکرمؐ نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑوں کے پیوند تھے اور وہ جانوروں کی طرح چر رہے تھے۔ تھوہر اور جہنّم کے پتھر ان کی غذا تھے۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔

زیب و زینت کر کے باہر نکلنے والی عورتیں

حضورؐ نے کچھ ایسی عورتیں دیکھیں جو اپنے پستانوں سے بندھی ہوئی الٹی لٹک رہی تھیں۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زیب و زینت کر کے بے پردہ اپنے گھروں سے باہر گھومتی تھیں۔

حرام خور

حضورؐ نے ایک جگہ دیکھا کہ چند خوانوں میں عمدہ پکا ہوا گوشت رکھا ہے لیکن کوئی اس کے قریب نہیں جاتا۔ اس سے ذرا آگے چند خوانوں میں سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور بہت سے لوگ اس کو رغبت سے کھا رہے ہیں۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو حرام کھانے سے کراہت نہیں آتی تھی۔ اور وہ حلال چھوڑ کر حرام کی طرف لپکتے تھے۔

یتیموں کا مال کھانے والے

حضورؐ نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے۔ یہ لوگ آگ کی چنگاریاں نگل رہے تھے جو فوراً ان کے پاخانہ کے مقام سے خارج ہو جاتی تھیں۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھا جاتے تھے۔

اسی طرح کے اور بھی بہت سے مشاہدات کی تفصیل احادیث میں ملتی ہے لیکن واقعۂ معراج النبیؐ چونکہ ہماری کتاب کا موضوع نہیں ہے، اسلئے بخوفِ طوالت ہم نے صرف مذکورہ بالا چند مشاہدات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔

مشاہدات برزخ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب

صحیح بخاری (کتاب التعبیر) میں باسنادِ صحیح ایک طویل حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں عالمِ برزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اس حدیث مبارک کا اردو ترجمہ نیچے درج کیا جاتا ہے :-

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صبح کے وقت صحابہؓ سے دریافت فرمایا کرتے کہ تم نے شب میں کوئی خواب تو نہیں دیکھا۔ اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرتا تو آپ اس کی تعبیر ارشاد فرماتے۔ ایک دن اسی طرح حسب معمول آپ نے صبح کے وقت ارشاد فرمایا کہ آج رات میں نے دیکھا کہ دو آنیوالے آئے اور مجھ کو اٹھا کر کہا چلئے۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ ایک شخص پر ہمارا گذر ہوا کہ وہ لیٹا ہوا ہے اور ایک شخص ایک بڑا پتھر لئے اس کے سر پہ کھڑا ہے وہ لیٹے ہوئے آدمی کے سر پر اس زور سے پتھر مارتا ہے کہ اس کا سر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پتھر آگے کو لڑھک جاتا ہے۔ وہ جا کر پتھر کو پھر اٹھا لاتا ہے۔ وہ ابھی لوٹنے نہیں پاتا کہ پہلے آدمی کا سر ٹھیک ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ پھر اس کے سر پر پتھر مارتا ہے اور وہی کیفیت پیش آتی ہے۔ میں نے ان دونوں شخصوں

سے پوچھا سبحان اللہ یہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا چلئے چلئے۔
ہم آگے چلے تو دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا ہوا ہے اور دوسرا شخص اس
کے پاس لوہے کا زنبور لئے کھڑا ہے اور اس لیٹے ہوئے شخص کے ایک
جانب آکر اس کا کلّہ نتھنا اور آنکھ گدّی تک چیرتا چلا جاتا ہے۔ پھر دوسری
طرف آکر اسی طرح کرتا ہے اور اس جانب سے فارغ نہیں ہونے پاتا کہ
وہ جانب اچھی ہو جاتی ہے۔ پھر اس طرف جاکر پہلا عمل دہراتا ہے۔ میں
نے پوچھا، سبحان اللہ، یہ دونوں کون ہیں؟ کہنے لگے چلئے چلئے۔ پھر
آگے بڑھے اور ایک تنور پر پہنچے۔ اس میں بڑا شور وغل ہو رہا تھا۔
ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا تو بہت سے برہنہ مرد عورت نظر آئے
تنور کے شعلے بھڑک کر ان تک پہنچتے ہیں تو وہ چیخنے چلانے ہیں
اور ان شعلوں کی قوت سے اونچے اٹھ جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون
لوگ ہیں وہ بولے چلئے چلئے۔ ہم آگے چلے تو ایک جگہ دیکھا کہ ایک
خون کے رنگ جیسی سرخ نہر بہہ رہی ہے اور ایک آدمی اس نہر کے
اندر تیر رہا ہے اور نہر کے کنارے ایک اور آدمی کھڑا ہے جس کے
پاس بہت سے پتھر جمع ہیں۔ پہلا آدمی جب تیرتا ہوا دوسرے شخص
کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اس کے منہ پر ایک پتھر کھینچ کر مارتا ہے جو
تیرنے والے آدمی کے منہ میں جاکر اس کے پیٹ میں اتر جاتا ہے اور
وہ اس کے صدمے سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اپنی جگہ پر پہنچ جاتا ہے۔ پھر
وہ تیر کر کنارے کی طرف پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارے والا آدمی اس

کو پھر پتھر مار کر پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ یہ عمل اسی طرح جاری رہتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا چلئے چلئے۔ ہم آگے چلے تو ایک سخت کریہہ اور بدصورت آدمی کو دیکھا۔ اس کے سامنے آگ ہے جس کو وہ جلا رہا ہے اور اس کے گرد پھر رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ وہ کہنے لگے چلئے چلئے۔ اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک گنجان اور سرسبز و شاداب باغ نظر آیا جس میں ہر طرف بہار ہی بہار تھی۔ اس باغ کے درمیان ایک نہایت دراز قد آدمی بیٹھا تھا جس کا سر درازیٔ قد کے سبب نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے چاروں طرف بڑی کثرت سے بچے جمع تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون سا باغ ہے؟ اور یہ لوگ کون ہیں؟۔ انہوں نے کہا چلئے چلئے۔ ہم آگے چلے تو ایک عظیم الشان درخت نظر آیا کہ اس سے بڑا اور خوبصورت درخت میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میرے ساتھیوں نے کہا کہ اس پر چڑھیں ہم اس پر چڑھے تو ایک شہر ملا جس کی دیوار میں ایک ایک اینٹ سونے کی اور ایک ایک چاندی کی لگی ہوئی تھی۔ ہم اس شہر کے دروازے پر پہنچے اور اس کو کھلوایا۔ ہم شہر کے اندر داخل ہوئے تو وہاں کچھ لوگ ملے جن کا نصف دھڑ نہایت خوبصورت اور نصف نہایت بدصورت تھا قریب ہی ایک صاف شفاف نہر جاری تھی جس کا پانی دودھ کی طرح سفید تھا۔ میرے ہمراہیوں نے ان لوگوں سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطہ لگاؤ وہ لوگ اس میں غوطہ لگا کر آئے تو ان کے نصف دھڑ کی بدصورتی بالکل

جاتی رہی اور ان کا سارا دھڑ ایک جیسا خوبصورت ہو گیا۔ پھر ان دونوں شخصوں نے مجھ سے کہا کہ یہ "جنتِ عدن" ہے اور وہ رہا آپ کا گھر۔ میں نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو سفید بادل کی طرح ایک محل دکھائی دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے مجھ کو چھوڑ دو میں اس کے اندر چلا جاؤں۔ کہنے لگے، ابھی نہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آج تو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں، آخر یہ کیسے نظارے تھے۔ انہوں نے کہا ہم ابھی بتلاتے ہیں۔ پہلا شخص جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا ہے وہ ہے جو قرآن پڑھ کر اس پر عمل نہیں کرتا اور صبح کی فرض نماز سے غافل ہو کر سوتا رہتا ہے اور جس شخص کے کلّے اور نتھنے اور آنکھیں گُدّی سے چیری جا رہی تھیں وہ ہے جو صبح کو گھر سے نکلتا ہے اور ہر طرف جھوٹی باتیں پھیلاتا پھرتا ہے۔ اور تنور میں جو ننگی عورتیں اور مرد جل رہے تھے وہ بدکار (زانی) مرد اور عورتیں ہیں۔ اور جو شخص خون کی نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر بھرے جاتے تھے وہ سود خوار ہے اور جو بدشکل آدمی آگ جلاتا تھا اور اس کے گرد پھر رہا تھا وہ دوزخ کا داروغہ ہے اور جو دراز قد آدمی آپ نے باغ میں دیکھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور جو بچے ان کے گرد جمع تھے وہ ننھے اور کمسن بچے تھے جن کو فطرت پر موت آگئی تھی۔

کسی صحابیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مشرکین کے بچے بھی۔

وہ لوگ جن کا نصف بدن خوبصورت اور نصف بدن بدصورت تھا وہ تھے جنہوں نے کچھ نیک عمل کیئے اور کچھ بد۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ دھو دیئے (معاف کر دیئے)

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اچھا یا برا جو بھی عمل اس دنیا میں کرتا ہے وہ وقت گذرنے کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا وجود باقی رہتا ہے اور وہ ایک دن متشکل ہو کر انسان کے سامنے آجاتا ہے اور اسی کے مطابق سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا۔ اس حدیث میں برزخ کی جن سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے وہ انسان کے اعمال سے بدرجۂ اتم مناسبت اور مشابہت رکھتی ہیں۔ فی الحقیقت یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے:۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (زلزال - ۷، ۸)

(پھر جس نے ایک ذرّہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرّہ برابر کوئی بدی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا۔)

مشاہدۂ برزخ کے بارے میں کچھ اور روایات

۱۔ امام ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ شعبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

میں نے ایک عجیب ماجرا دیکھا ہے۔ میں اثنائے سفر میں بدر کے مقام سے گذرا تو میں نے (قلیب بدر) میں دیکھا کہ ایک شخص زمین سے نمودار ہوتا ہے اور بھاگنے کے لئے تیار ہوتا ہے کہ ایک اور شخص ظاہر ہوتا ہے اور ایک گرز پہلے شخص کے سر پر مارتا ہے جس سے وہ زمین میں دھنس جاتا ہے۔ پھر باہر آتا ہے تو پھر یہی ہوتا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا یہ ابوجہل ہے جو قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔ (امام سیوطیؒ نے شرح الصدور میں لکھا ہے کہ اس سے ملتا جلتا واقعہ طبرانیؒ نے اوسط میں، ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب القبور میں اور ابن مندہ نے ابن عامرؓ سے روایت کیا ہے۔)

۲۔ بروایت امام سیوطیؒ ابن ابی الدنیا نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک سوار مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان جا رہا تھا کہ اچانک اس کا ایک مقبرہ پر گذر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ قبر سے یکایک ایک آدمی نکلا جو آگ کے شعلوں میں لپٹا ہوا تھا اور لوہے کی زنجیر میں جکڑا ہوا تھا اس نے سوار سے کہا اے خدا کے بندے پانی چھڑک۔ اسی وقت ایک اور آدمی یہ کہتا ہوا نکلا۔ "اے خدا کے بندے پانی مت چھڑکنا۔ اے خدا کے بندے پانی مت چھڑکنا۔" سوار یہ نظارہ دیکھ کر بیہوش ہو گیا جب ہوش میں آیا تو اس کے بال سفید ہو گئے تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ

لوگوں کو تنہا سفر نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ بروایت امام سیوطیؒ ابن ابی الدنیا نے حضرت عمرو بن دینارؒ سے روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے ایک شخص کی بہن مرگئی وہ اس کو دفن کرنے کے لئے قبر میں اترا مگر نکلتے وقت اس کی ایک قیمتی متاع قبر میں رہ گئی۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کی مدد سے قبر کھولی تو اس کو وہ پونجی مل گئی۔ اسے لیتے وقت اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ذرا پرے ہٹ جاؤ میں دیکھوں کہ میری بہن کس حالت میں ہے۔ چنانچہ اس نے لحد کا ایک حصہ کھولا تو دیکھا کہ قبر میں آگ بھڑک رہی ہے۔ اس نے فوراً لحد اور قبر بند کر دی اور گھر آکر ماں سے پوچھا کہ میری بہن کا عمل کیسا تھا؟ اس نے کہا کہ وہ نماز میں دیر کرتی تھی اور میرا گمان ہے کہ وہ اس کو وضو کر کے بھی نہ پڑھتی تھی۔ اور پڑوسیوں کے گھروں کے دروازوں سے لگ کر ان کی باتیں سننے کی عادی بھی تھی۔

۴۔ ابن ابی الدنیا نے مرثد بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں یوسف بن عمرو کے پاس بیٹھا تھا اور ایک شخص ان کے پہلو میں تھا جس کے چہرے کی ایک جانب لوہے کی طرح سپاٹ اور سخت تھی۔ یوسف بن عمرو نے اس شخص سے کہا کہ جو کچھ تجھ کو پیش آیا ہے مرثد سے بھی بیان کر۔ تو اس نے بیان کیا کہ میں جوانی کے زمانے میں لہو ولعب میں مشغول رہتا تھا۔ اسی زمانے میں طاعون کی وبا پھیلی اور بکثرت لوگ مرنے اور دفن ہونے لگے۔ میں نے ایک رات ایک

شخص کی قبر کھودی اور خود ایک دوسری قبر پر چڑھ کر بیٹھ گیا یکایک
میں نے دیکھا کہ اونٹ کے برابر دو پرندے سفید رنگ کے نمودار ہوئے
ایک میت کے سر کی طرف آ گیا اور دوسرا پیروں کی طرف۔ پھر ان میں
سے ایک قبر میں اترا اور دوسرا اس کے کنارے کھڑا رہا۔ میں اس
واقعہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس قبر کے کنارے آ کھڑا ہوا کہ دیکھوں
یہ پرندے کیا کرتے ہیں۔ تو میں نے سنا کہ قبر میں اترنے والا پرندہ کہہ رہا
ہے کہ کیا تو وہی نہیں ہے۔ جو اپنے سسرال والوں سے ملنے کے لئے
دو قیمتی کپڑوں میں بڑی اتراہٹ اور نخوت کے ساتھ چل کر جایا کرتا
تھا تو میت نے کہا کہ میں تو اس سے بہت زیادہ کمزور تھا۔ اس پر پرندے
نے اس پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے قبر میں تیل اور پانی بھر گیا۔ پھر
وہ میت پہلے جیسی ہو گئی تو پرندے نے اس سے دوبارہ وہی بات کہی
اور پھر پہلے کی طرح اس زور کی ضرب لگائی کہ قبر میں تیل اور پانی بھر گیا
تیسری بار بھی اس نے یہی عمل کیا پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور میری طرف
دیکھ کر کہا۔ "خدا اس کو اندھا کرے دیکھو یہ کہاں بیٹھا ہے"۔ پھر اس نے
ایک طمانچہ میرے چہرے پر رسید کیا جس سے میرے چہرے کی ایک جانب
کے سارے خدّ و خال مٹ گئے اور چہرے کا یہ حصّہ سپاٹ ہو کر لوہے کی
پلیٹ جیسا ہو گیا اور میں اس وقت سے اسی حالت میں ہوں (شرح الصدور
امام سیوطیؒ)

۵۔ بیہقی نے شعب الایمان میں عبدالحمید بن محمود المعولی سے روایت کیا

ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں کچھ لوگ آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم حج کے لئے روانہ ہوئے۔ جب "ذات الصفاح"[1] میں پہنچے تو ہمارا ایک رفیقِ سفر فوت ہوگیا۔ ہم نے اس کے لئے قبر کھودی اور اس میں اس کے لئے بغلی بنائی۔ جب ہم بغلی بنا کر فارغ ہوئے تو دیکھا یک نظر آیا کہ اس میں ایک خوفناک کالا سانپ بیٹھا ہے جس نے تمام بغلی کو بھرا ہوا ہے۔ ہم نے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور ایک دوسری جگہ قبر کھودی۔ جب اس کی بغلی بنا کر فارغ ہوئے تو دیکھا کہ اس میں بھی ایک کالا سانپ بیٹھا ہے۔ ہم نے اس جگہ کو بھی چھوڑ دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اس کا عمل ہے جو وہ کرتا تھا۔ جاؤ اور اس کو کسی جگہ دفن کر دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اس کے لئے ساری زمین بھی کھود ڈالو گے تو اس (سانپ) کو اس میں بھی پاؤ گے۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور اپنے مردہ ساتھی کو ایک جگہ کسی نہ کسی طرح دفن کر دیا۔ جب وہ حج سے فارغ ہو کر وطن واپس گئے تو مرنے والے کی بیوی سے پوچھا کہ تیرا خاوند کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا میرا خاوند غلّہ فروش تھا۔ وہ اپنے گھر کے لئے غلّہ الگ رکھ لیا کرتا تھا اور فروخت کئے جانے والے غلّے میں بھوسہ (تنکے) ملا دیا کرتا تھا۔

---

[1] ایک جگہ کا نام۔

۶- تاریخ مقریزی میں بذیل واقعات ۶۹۷ھ مذکور ہوا ہے کہ شام سے ایک قاصد دربارِ مصر میں آیا اور اس نے یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ ساحلی علاقے کے ایک آدمی کی بیوی مرگئی وہ اس کو دفن کرکے واپس آیا تو اس کو یاد آیا کہ وہ قبر میں اپنا رومال بھول آیا ہے۔ جس میں کچھ رقم بندھی ہوئی تھی۔ اس نے گاؤں کے فقیہ کو اپنے ساتھ لیا اور رُومال نکالنے کی غرض سے قبر کو کھودا۔ فقیہ تو قبر کے کنارے ایک جگہ بیٹھ گیا اور وہ شخص قبر کے اندر اترا۔ یکایک اس نے دیکھا کہ اس کی عورت بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے بالوں سے اس کی مشکیں اور اس کے دونوں پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس نے چاہا کہ اس کے بازو کھول دے لیکن اس پر قادر نہ ہوا۔ جب اس نے اپنا پورا زور لگایا تو زمین شق ہوئی اور دونوں مرد اور عورت اس میں دھنس گئے۔ گاؤں کا فقیہ یہ نظارہ دیکھ کر ایک دن اور رات بیہوش رہا۔

سلطانِ مصر نے یہ واقعہ شیخ الاسلام تقی الدین بن دقیق العید کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے اسے لوگوں کے سامنے بیان کیا اور ان کو نصیحت کی کہ اس سے عبرت پکڑیں۔ (شرح الصدور للسیوطیؒ)

تذکرہ غوثیہ کی ایک عجیب حکایت

پانی پت میں ایک صاحبِ طریقت بزرگ سید غوث علی شاہ قلندر قادریؒ (المتوفی ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۷ مارچ ۱۸۸۰ء) گذرے

ہیں - ان کے خلیفۂ خاص اور جانشین شاہ گل حسن نے ایک کتاب "تذکرۂ غوثیہ" کے نام سے لکھی ہے جس میں اپنے مرشد کے سوانح حیات اور ملفوظات درج کیے ہیں - یہ کتاب غایت درجہ دلچسپ ہے اور اردو ادب میں ایک خاص مقام رکھتی ہے - اس میں ایک جگہ سیّد غوث علی شاہ کی زبانی ایک عجیب حکایت بیان کی گئی ہے چونکہ اس کا تعلق عالمِ برزخ سے ہے ہم اس کو من وعن یہاں درج کرتے ہیں۔

شاہ غوث علی فرماتے ہیں کہ جن دنوں ہم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب (محدّث دہلوی) سے سبق پڑھتے تھے - ایک دن ایک شخص امیرانہ لباس پہنے ہوئے آیا اور عرض کی کہ میری سرگذشت سننے کے قابل ہے - حضرت میری عقل کام نہیں کرتی - حیران ہوں کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں - آپ کی خدمت میں اس لئے آیا ہوں کہ جو ارشاد ہو بجا لاؤں - میں لکھنؤ کا باشندہ اور روزگار پیشہ آدمی تھا - ایک دفعہ بیکاری کے باعث گھر پر تنگی سے گذرنے لگی - ارادہ کیا کہ کہیں باہر نکل کر تلاشِ معاش کروں - سرمایہ کم رہ گیا تھا - تھوڑا سا زادِ راہ لے کر اُودے پور کو چلا اثنائے راہ میں ریواڑی آئی - اس زمانے میں وہاں صرف ایک سرائے اور تکیہ آباد تھا - اس سرائے میں چند بھٹیاریاں اور دو ایک کسبیاں رہتی تھیں - سرائے میں اترا اور گھوڑا باندھ کر خاموش اور متفکر ہو بیٹھا کیونکہ خرچ پاس نہ تھا - اتنے میں ایک کسبی آئی اور کہنے لگی کہ میاں جوان کس فکر میں بیٹھے ہو کھانے دانے کا سامان کیوں

نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ ابھی تھکا ہارا آیا ہوں۔ ذرا سستا لوں تو کچھ بندوبست کروں۔ وہ چلی گئی اور ذرا دیر بعد پھر آئی، کہا۔ اب کیا دیر ہے۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری بار پھر آئی کہ یہ کیا بات ہے گھوڑا اٹا بتا ہے اور تم کو کچھ فکر نہیں۔ ناچار جو بات تھی۔ میں نے سچ کہدی کہ کوڑی گرہ میں نہیں رہی۔ اب گھوڑا یا ہتھیار بیچتا ہوں تو نوکری کیسے کروں گا اور یہ نہ کروں تو خرچ کہاں سے لاؤں۔ وہ چپکی چلی گئی اور دس روپیہ لاکر میرے حوالے کئے کہ لو یہ روپیہ میں نے چرخہ کات کر اپنے کفن دفن کے لئے جمع کیا ہے۔ آپ کو قرضِ حسنہ دیتی ہوں جب تم کو خدا دے ادا کر دینا، غرض میں وہ روپیہ خرچ کرتا ہوا اودے پور پہنچا۔ وہاں جھٹ پٹ نوکری مل گئی اور کچھ ایسا فضل ربی ہوا کہ پانچ ہی برس میں امیر کبیر بن گیا۔ پھر تو حشم، خدم، ہاتھی، گھوڑے سب ٹھاٹھ امیرانہ مہیا تھا۔ گھر سے خط آیا۔ کہ لڑکا جوان ہو گیا بیٹی والے بھی تقاضا کرتے ہیں۔ جلد آن کر شادی کا سامان کرو۔ میں راجہ سے رخصت ہو کر بڑے ٹھاٹھ سے چلا اور ریواڑی کی طرف کو روانہ ہوا۔ جب اسی سرائے میں اترا تو کسی کا حال دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ مہینہ بھر سے بیمار ہے اور کوئی دم کی مہمان ہے۔ جب اس کے سامنے پہنچا تو میرے سامنے جاں بحق ہو گئی۔ تجہیز و تکفین کی اور اپنے ہاتھ سے اس کو قبر میں اتارا اور دفن کر کے چلا آیا۔ جب آدھی رات گذری تو خیال آیا کہ جیب میں پانچ ہزار کی ہنڈوی تھی۔ دیکھا تو ندارد۔ بڑی پریشانی

ہوئی۔ سوچتے سوچتے ذہن میں گذرا کہ ضرور اس قبر کے اندر ہنڈوی گری۔ پلنگ سے اٹھ سیدھا قبرستان میں پہنچا اور قبر کھود ڈالی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ نہ وہاں میّت ہے نہ ہنڈوی۔ ہاں ایک طرف کو دروازہ سا نظر آتا ہے۔ اس کے اندر چلا گیا۔ نہایت پرفضا و دلکشا باغ نظر آیا۔ اس میں ایک مکان عالیشان ہے۔ فرش فروش سے آراستہ اور ایک عورت نہایت حسین و مہ جبیں بیٹھی ہے۔ دل میں خیال آیا کہ آہا یہ تو کسی شہزادی کا مکان ہے ایسا نہ ہو کوئی مجھے روکے ٹوکے۔ جھجک کر قدم پیچھے ہٹایا ہی تھا کہ اس کے گرد جو پرستار و غلام دست بستہ کھڑے تھے ایک میرے پاس آیا اور بلا کر لے گیا۔ اب وہ عورت کہتی ہے کہ تم نے مجھ کو پہچانا نہیں؟

میں نے کہا۔ "نہیں۔"

کہا۔ "اجی میں وہی تو ہوں جس نے تم کو دس روپے دیئے تھے۔ آج اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے یہ عروج مجھ کو عطا فرمایا ہے۔ لو یہ تمہاری ہنڈوی بھی موجود ہے جو قبر میں گر پڑی تھی۔ اب دیر نہ کرو۔ جلد چلے جاؤ۔"

میں نے کہا کہ ذرا یہاں کی سیر تو کر لوں۔

وہ بولی۔ "یہاں کی سیر قیامت تک بھی نہ کر سکو گے۔ اتنی ہی دیر میں دنیا کے اندر کیا سے کیا ہو گیا۔ بس تم جاؤ۔"

خیر میں اس کے کہنے کے مطابق چلا آیا۔ شاید کوئی تین گھڑی کا عرصہ لگا ہو گا۔ قبر کے باہر نکل کر دیکھتا ہوں تو زمانہ کا رنگ ہی کچھ

اور ہے نہ وہ تکیہ نہ وہ سرائے، نہ وہ آدمی نہ وہ بستی۔ سرائے کی جگہ پر ایک شہر آباد ہے۔ پہلا حال جس سے کہتا ہوں وہ مجھ کو دیوانہ بتاتا ہے اور کہتا ہے۔ میاں خیر ہے کسی سرائے اور کون امیر ؎

اے ہم نفس نہ پوچھ عبث ہے کہاں سرائے
ہم ہیں مسافر اور جہاں کارواں سرائے

آخر ایک آدمی نے کہا چلو میں تم کو ایک بزرگ کے پاس لے چلوں شاید ان سے کچھ پتہ لگے۔ وہ بڑا معمر آدمی تھا۔ میرا حال سن کر اس نے بحرِ تفکر میں غوطہ لگایا اور بہت تامل کے بعد کہا کہ ہاں کچھ مجھ کو یاد ہے۔ میرے پر دادا فرمایا کرتے تھے کہ اگلے زمانہ میں یہاں صرف ایک سرائے تھی اور اس میں ایک کسبی آباد تھی۔ ایک امیر آن کر ٹھہرا اور اس کسبی کا گورو کفن کیا تھا مگر آدھی رات کو وہ بھی غائب ہو گیا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہ لگا۔ ہمراہی رو پیٹ کر چلے گئے۔ اس بات کو کوئی تین سو برس کا عرصہ گذرا ہو گا جب میں نے حال بیان کیا کہ وہ امیر میں ہوں تو لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور حیرت کرنے لگے۔ اب مجھ کو خبط سا ہو گیا۔ نہ گھر ہے نہ در، جاؤں تو کہاں جاؤں اور اس ہنڈوی کو کیا کروں۔

شاہ صاحبؒ نے کہا کہ بے شک وہاں کی ایک گھڑی یہاں کی ایک صدی کی ہوتی ہے۔ اب بیت اللہ کو چلے جاؤ اور باقی عمر یادِ الٰہی میں گذار دو۔ چنانچہ اس کو خرچ دے کر مکّہ معظمہ کو

روانہ کر دیا۔

یہ حکایت صحیح ہے یا غلط اس کا فیصلہ قارئین کی صوابدید پر منحصر ہے۔ یہاں اس حکایت کے ایک پہلو کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس شخص کو یہ واقعہ پیش آیا منجملہ دوسرے امور کے اس نے یہ بھی کہا کہ وہ قبر میں شاید تین گھڑی رہا۔ باہر نکلا تو تین صدیاں گذر چکی تھیں۔ مادی دنیا اور عالمِ برزخ کے اوقات میں اتنا فرق فی الحقیقت محیّر العقول ہے۔ بعض روایات سے یہ بات تو ثابت ہے کہ قیامت کے دن جب تمام مردے اٹھائے جائیں گے تو ان میں سے ایک گروہ کے نزدیک برزخ کا طویل زمانہ (جو ہزاروں لاکھوں سالوں پر محیط ہوگا) محض چند ساعت کا ہوگا۔ لیکن عقلِ انسانی اس بات کو سمجھنے سے عاجز ہے کہ ایک زندہ انسان کو عالمِ برزخ کا تین گھڑی کے لئے مشاہدہ کرایا جائے اور دنیا میں تین صدیاں بیت جائیں۔ اس اختلافِ وقت کی کئی توجیہیں کی جا سکتی ہیں لیکن ان سے کئی اور سوال پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس معاملہ میں سکوت کرنا ہی بہتر ہے۔

میّت کے لئے ایصالِ ثواب

احادیثِ صحیحہ میں کئی ایسے اعمال کا ذکر ہے کہ اگر وہ رسم و رواج اور ریا و نمود سے کنارہ کش ہو کر محض رضائے الٰہی کی خاطر کئے جائیں اور ساتھ ہی یہ نیّت کی جائے اور دعا مانگی جائے کہ ان کا ثواب وفات

پائے والے کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرما کر ان کا ثواب میّت کو پہنچاتا ہے۔ اس طرح میت کے عذابِ برزخ میں تخفیف ہو جاتی ہے یا یہ منقطع کر دیا جاتا ہے۔ ایسی چند احادیث نیچے درج کی جاتی ہیں۔

صدقہ و خیرات:۔ ۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئیں اور انہوں نے کوئی وصیّت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو خیرات کرتیں اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اُن کو ثواب پہنچے گا۔ حضور صؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ (صحیحین)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کی والدہ فوت ہو گئیں اور وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ وہ رسول اللہ صؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری والدہ میری غیر حاضری میں فوت ہو گئیں۔ اگر اب میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو کیا یہ ان کو کچھ نفع دے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو اس امر پہ گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری)

۳۔ حضرت عقبہ بن عامر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک صدقہ اپنے اہل سے حرارتِ قبر کو بجھاتا ہے۔ (طبرانی)

میّت کی طرف سے حج کرنا۔ ۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے میّت کی جانب سے حج کیا تو حج کرنے والے اور جس کی جانب سے حج کیا گیا دونوں کے لئے یکساں ثواب ہے۔ (طبرانی)

۲۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے والد فوت ہو گئے اور انہوں نے حج اسلام یعنی حِج فرض ادا نہ کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ تو مجھ کو یہ بتا کہ اگر تیرے باپ کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو کیا تو اس کی جانب سے اس کو ادا کرتا۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی تو اس کے ذمّے قرض ہی ہے تو اس کو ادا کر۔ (مسند بزار۔ طبرانی)

میت کی طرف سے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا۔ ۱۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری والدہ (مرحومہ) پر دو مہینے کے روزے ہیں کیا میں اس کی جانب سے روزے رکھ سکتی ہوں آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر اس نے عرض کیا کہ میری ماں نے حج بھی نہیں کیا۔ کیا میرا اس کی جانب سے حج کرنا کافی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ (مسلم)

۲۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مرجائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کی جانب سے اس کا ولی روزہ رکھے۔ (صحیحین)

۳۔ حجاج بن دینارؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ نماز پڑھ اور اپنے روزے کے ساتھ ان کی جانب سے روزہ رکھ اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی جانب سے صدقہ کر۔ (ابن ابی شیبہ)

غلام آزاد کرنا۔ ۱۔ ابن ابی شیبہ نے عطا اور زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میرا باپ مرچکا ہے کیا میں اپنے باپ کی طرف سے غلام آزاد کردوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔

۲۔ ابوالشیخ بن حبانؒ نے کتاب الوصایہ میں حضرت عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ عاص نے وصیت کی ہے کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیئے جائیں تو ان میں سے پچاس تو ہشام نے آزاد کردیئے ہیں آپؐ نے فرمایا نہیں صدقہ اور حج اور عتق (غلام آزاد کرنا) تو مسلمان کی طرف سے کیا جاتا ہے (نہ کافر کی جانب سے) اگر وہ (عاص) مسلمان ہوتا تو اس کو پہنچتا۔

تلاوتِ قرآن۔ احادیثِ صحیحہ میں تلاوتِ قرآن کا عظیم ثواب بتایا

گیا ہے۔ جمہور علمائے سلف کا مسلک یہ ہے کہ اگر میّت کو ثواب پہنچانے کی غرض سے قرآن پڑھا جائے تو اس کا ثواب میّت کو ضرور پہنچتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں لکھا ہے کہ اُس امر میں کہ میّت کو قرأتِ قرآن شریف کا ثواب پہنچتا ہے (یا نہیں) علماء رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ جمہور سلف اور تینوں امام تو اس پر ہیں کہ اس کو اس کا ثواب پہنچتا ہے البتہ امام شافعیؒ نے اس امر میں ان کی مخالفت کی ہے۔[۱]

جو علماء قرأتِ قرآن کا ثواب میّت کو پہنچنے کے قائل ہیں وہ بھی اس پر یہ شرط عاید کرتے ہیں کہ قرآن کریم اجرت پر نہیں پڑھوانا چاہیے بلکہ خالص لوجہ اللہ پڑھنا چاہیئے۔ ان علماء نے قبر کے قریب بھی قرآن پڑھنے کو جائز ٹھہرایا ہے اور کسی اور جگہ بھی۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ قرآنِ حکیم پڑھ کر صدقِ دل سے دعا مانگی جائے کہ الٰہی اس تلاوت کا ثواب فلاں کی رُوح کو پہنچا دے۔ حق تعالےٰ نے دعا قبول فرمالی تو میّت کو ثواب پہنچ جائے گا۔ اگر قبول نہ ہوئی تو پڑھنے والے کو ضرور پہنچے گا۔

مرنے والوں کیلئے دعائے مغفرت

احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ مرنے والوں کے لئے بخشش کی دعا کرنا اُن کو نفع پہنچاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ بندہ صالح کا جنت میں درجہ بلند کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار یہ مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا تو رب العزت فرماتا ہے کہ یہ تجھے تیری اولاد کی استغفار کے سبب عطا ہوا جو اس نے تیرے لئے کی ہے۔ (بیہقی۔ طبرانی)

حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انسان کے پیچھے پہاڑ جیسی نیکیاں جائیں گی تو وہ کہے گا کہ یہ کہاں سے آئیں تو کہا جائے گا کہ تیری اولاد کی استغفار کے سبب جو وہ تیرے لئے کرتی تھی۔ (بخاریؒ)

مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ مُردوں کو زندوں کی دعا کا ثواب پہاڑوں کے مانند پہنچاتا ہے اور بیشک زندوں کی طرف سے مُردوں کے لئے تحفہ ان کے لئے استغفار کرنا ہے۔

شارحین حدیث اور دوسرے علماء بالعموم اس بات پر متفق ہیں کہ مردوں کے لئے بخشش کی دعا کرنا ان کو آخرت میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ قبر میں بھی اور قیامت میں بھی۔ شرط یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ دعا قبول فرمالے اور مرنے والا کافر اور مشرک نہ ہو۔ موتٰی کے لئے دعائے مغفرت میں جس قدر بھی خشوع و خضوع سے کام لیا جائے اسی قدر اس کے قبول ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

وہ اعمال جن کا ثواب میّت کو ہمیشہ پہنچتا رہتا ہے

امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں اور امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار شخصوں پر ان کے مرنے کے بعد ان کا عمل جاری رہتا ہے۔ ایک مرابط فی سبیل اللہ یعنی وہ شخص جو راہِ خدا میں اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے۔ دوسرا وہ جس نے کوئی علم سکھایا۔ تیسرا وہ جس نے کوئی شے صدقہ کی کہ اس کو اس کا اجر اس وقت تک ملتا رہتا ہے جب تک کہ وہ صدقہ جاری رہے اور چوتھا وہ جس نے کوئی اولادِ صالح چھوڑی جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے۔

ابو نعیمؒ اور بزارؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سات چیزوں کا اجر بندے کے لئے اس کے مرنے کے بعد اس وقت بھی جاری رہتا ہے جبکہ وہ اپنی قبر میں ہوتا ہے۔ جس نے کوئی علم سکھایا یا کوئی نہر جاری کی یا کوئی کنواں کھدایا یا کوئی کھجور کا پودا لگایا یا مسجد بنائی یا کوئی مصحف وراثت میں چھوڑا یا کوئی اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے استغفار کرے۔

شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ ان احادیث میں رسول اکرمؐ نے میّت کو قبر میں نفع پہنچانے والے جن اعمال کا ذکر فرمایا ہے ان کے

لئے یہ شرط ہے کہ میّت کافر و مشرک نہ ہو بلکہ مسلمان ہو۔ مسلمان میّت کو اس* کے دوسرے نیک اعمال بھی بلاشبہ نفع دیں گے لیکن ان کا اجر اس کی زندگی میں ہی متعین ہو چکا ہے البتہ جن اعمال کا ذکر تخصیص کے ساتھ مذکورہ بالا احادیث میں ہوا ہے ان کا اجر مرنے والے کو قبر (برزخ) میں مسلسل پہنچتا رہتا ہے اور اس کے عذاب میں تخفیف یا انقطاع یا اس کے درجات میں بلندی کا موجب بنتا ہے۔

وہ اعمال جو آخرت میں عذاب کا موجب ہیں

یوں تو سارے ہی برے اعمال آخرت (برزخ اور قیامت) میں عذاب کا موجب ہیں تاہم دنیا کی مصیبتیں اور دکھ مسلمان کے بعض صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ قبر اور قیامت میں عذاب کا موجب بننے والے جن برے اعمال کا قرآن کریم اور احادیث میں تخصیص کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:۔

کفر، شرک، ریاکاری، حقوق العباد سے غفلت (یعنی ایک بندہ دوسرے بندے کا حق نہ پہچانے۔ مثلاً شوہر بیوی کا، بیوی شوہر کا، اولاد والدین کا، والدین اولاد کا، ہمسایہ ہمسائے کا، میزبان مہمان کا، مہمان میزبان کا، استاد شاگرد کا، شاگرد استاد کا حق نہ پہچانے وعلیٰ ہذا القیاس) جھوٹ، غیبت، چغلخوری، پیشاب سے اپنے آپ کو نہ بچانا، زنا، سود کھانا، لواطت، حلال کو چھوڑنا اور حرام کھانا، یتیموں کا

مال کھانا، مال کی زکوٰۃ نہ دینا، امانتوں کا رکھنا اور ان کو ادا نہ کرنا، کہنا اور نہ کرنا، بد عہدی، مسلمان کی آبرو ریزی کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا صحابہ کرامؓ کو بُرا بھلا کہنا، چوری، غرور، تکبّر، حقوق اللہ ادا نہ کرنا، چھپ کر پڑوسیوں کی باتیں سننا، جنابت سے غسل نہ کرنا، وقت پر نماز نہ پڑھنا، رشوت لینا اور دینا، کسی پر بہتان باندھنا، ظلم، حسد، بغض، کینہ، غصّہ، بد خلقی، جھوٹی گواہی، دھوکا فریب، غلّے کی ذخیرہ اندوزی کم تولنا اور کم ناپنا، شراب خوری، جوا کھیلنا، بے حیائی، تجسّس، بخل، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں پر رحم نہ کرنا اور ان کو دھکے دینا یا جھڑکنا، مسلمانوں کو ستانا اور ان کی عیب جوئی کرنا، کاہن اور نجومی کے پاس جانا، جھوٹی قسم کھانا، صلہ رحمی نہ کرنا، قطع رحمی کرنا، کسی کو برتنے کی چیز نہ دینا، سنّتِ نبویؐ پر اپنی رائے اور خواہش کو مقدم رکھنا، پیاسے کو پانی نہ پلانا، بے وضو نماز پڑھنا، اچھے کاموں کو برے کاموں سے ملانا، خلافِ شریعت حکم دینا یا فتویٰ جاری کرنا، نمازِ فجر ادا کئے بغیر سوئے رہنا، عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جانا، قرآن پڑھ کر چھوڑ دینا اور اس کو بھلا دینا، بچے کو دودھ نہ پلانا۔

ان اعمال کا تخصیص کے ساتھ ذکر کرنے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ عذابِ آخرت ان کے علاوہ کسی دوسرے بُرے عمل کے سبب سے نہیں ہوگا۔ علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ اسبابِ عذابِ آخرت کا انحصار خالی از دشواری نہیں ہے۔ اس لئے ہم پر لازم ہے کہ اپنے

آپ کو ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

وہ اعمال جو آخرت میں کام آئیں گے

قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ تمام اچھے اعمال جو حسنِ نیّت کے ساتھ کئے جائیں آخرت (قبر اور قیامت) میں کام آئیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ نیک عمل کرنے والا مسلمان ہو۔ چونکہ کفر اور شرک تمام نیک اعمال پر پانی پھیر دیتا ہے اس لئے کافر اور مشرک کے نیک اعمال بھی اس کو عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔ مسلمان کے جن نیک اعمال کا قرآن اور حدیث میں خصوصیّت سے ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:۔

ہر حال میں توحید پر قائم رہنا، نماز، حج اور زکوٰۃ ادا کرنا، روزے رکھنا، ذکرِ الٰہی، صدقہ و خیرات، خشیتِ الٰہی، صلہ رحمی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر (اچھے کاموں کی تلقین کرنا اور بُرے کاموں سے روکنا) ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک، اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنا، صبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنا، عمرہ کرنا، حسنِ خلق، طہارت کا التزام، وضو صحیح طریقے سے کرنا، مہمان نوازی، مسکینوں کو کھانا کھلانا، مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا، ہمسایوں سے نیک سلوک، والدین کی فرمانبرداری، بیمار پرسی، لین دین میں کھرا ہونا، پابندیٔ عہد، ہدیہ تحفہ دینا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر رحم اور شفقت کرنا، زیردستوں

سے اچھا سلوک کرنا، اولاد کی تربیت، تحمل، توکّل، عفو، بیوی سے حسنِ سلوک، افشائے سلام، ہاتھ اور زبان سے کسی کو ایذاء نہ پہنچانا، امانتداری، احترامِ مسلم، پردہ پوشی، تواضع، خلق سے استغناء، سوال سے بچنا، حرام سے بچنا، احسان، سخاوت، ایثار، جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے ناراض ہونا، ہر مسلمان کی خیرخواہی کرنا، بردباری اختیار کرنا، عورت کے لئے خاوند کی اطاعت کرنا، سنتِ نبوی ؐ کا اتباع۔ یہ تمام اعمال بلاشبہ آخرت میں کام آئیں گے اور عذاب سے نجات دلائیں گے۔

آخرت کی دوسری منزل

قیامت

یا

یَوۡمِ الدِّیۡن

قیامت کا دن

عزیزو قیامت کا دن ہے قریب
بہت ہی بڑا اور نہایت مہیب
زمیں زلزلوں سے پلٹ جائے گی
یہ چھت آسماں کی اُلٹ جائے گی
رہے گی زمیں اور نہ یہ آسماں
نہ کچھ چاند سورج کا ہوگا نشاں
یہ مُردے جہاں بھی پڑے ہونگے سب
قیامت کے دن اٹھ کھڑے ہونگے سب
خدا نیک و بد کا کرے گا حساب
کھلے گی بُرے اور بھلے کی کتاب
کوئی اور تو کیا ہی کام آئے گا
نہ ماں باپ تک کا بھی نام آئے گا
پس اس روز کے واسطے اے عزیز
رہو خوب تیّار اگر ہے تمیز

(الایمان)

عقیدۂ آخرت اسلام کے بنیادی عقاید میں سے ایک ہے۔ اس پر ایمان لائے بغیر نہ کوئی شخص مسلمان کہلا سکتا ہے اور نہ فوز و فلاح کی راہ پا سکتا ہے۔ قرآنِ پاک میں بار بار آخرت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے۔ برزخ کے حالات بیان کرتے ہوئے واضح کیا جا چکا ہے کہ آخرت کے وسیع مفہوم میں عالمِ برزخ اور قیامت دونوں شامل ہیں۔ عالمِ برزخ آخرت کی پہلی یا درمیانی منزل ہے اور قیامت اس کی دوسری یا حقیقی (ابدی) منزل ہے۔ قرآن حکیم میں آخرت کی اس منزل کے احوال و کیفیات کا ذکر تخصیص کے ساتھ اور مختلف پیرایوں میں جگہ جگہ کیا گیا ہے۔ خاص سورۂ قیامت کے علاوہ اور کثیر مقامات پر بھی قیامت کے مختلف نام اور اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن سے اس دن کی عظمت اور ہیبت ناک کیفیات کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے یومِ قیامت کا مفہوم مختصر ترین الفاظ میں یہ ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب تمام نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا اور کائنات کی ہر شے ملک الموت سمیت فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ پھر اسی دن اللہ تعالیٰ (جس کی ذاتِ واحد کو ہمیشہ بقا ہے) ہر شے کو دوبارہ زندہ کرے گا (اٹھائے گا) اور ہر شے میدانِ حشر میں حساب کتاب کے لئے جمع ہو گی۔ حساب کتاب کے بعد ہر چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا اور اسی کے مطابق جنّت اور دوزخ کی ابدی زندگی شروع ہو جائے گی۔

اس سے پہلے کہ ہم قیامت کے احوال وکیفیات کا ذکر کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے چند قرآنی نام اور اوصاف یہاں درج کر دیئے جائیں۔

قیامت کے چند قرآنی نام

قرآن حکیم میں قیامت کا بیان بڑی کثرت سے کیا گیا ہے۔ اور اس کو بیسیوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر نام قیامت کے کسی خاص پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قیامت کے چند قرآنی نام یہ ہیں:۔

یَوْمِ الدِّیْن	جزا کا دن
یَوْمُ الْقِیَامَۃ	کھڑے ہونے کا دن
یَوْمٌ عَظِیْمٌ	ایک بڑا دن
یَوْمُ الْحِسَاب	حساب کا دن
اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْد	موعودہ دن
اَلْیَوْمُ الْحَقّ	سچا دِن (جس دن کا آنا برحق ہے)
اَلْیَوْمُ الْاٰخِرُ	پچھلا دن
یَوْمُ التَّنَادِ	پکار کا دن
یَوْمُ الْجَمْعِ	اکٹھے ہونے کا دن
یَوْمُ الْبَعْثِ	جی اٹھنے کا دن

يَوْمُ التَّغَابُنِ	افسوس کا دن
يَوْمٌ عَصِيْبٌ	سخت دن
يَوْمُ الْاٰزِفَةِ	قریب آنے والی مصیبت کا دن
يَوْمُ الْحَسْرَةِ	حسرت کا دن
يَوْمُ الْخُرُوْجِ	قبروں سے نکلنے کا دن
يَوْمٌ عَسِيْرٌ	ایک سخت دن
يَوْمُ الْفَصْلِ	فیصلہ کا دن
اَلسَّاعَةُ	وہ گھڑی (وہ خاص وقت)
اَمْرُ اللّٰه	خدا کی بات
اَلصَّاخَّةُ	بہرہ کرنے والی گھڑی
اَلْحَاقَّةُ	ضرور آنے والی گھڑی
اَلْغَاشِيَةُ	چھا جانے والی
اَلْقَارِعَةُ	کھڑکھڑانے والی
اَلطَّامَّةُ الْكُبْرٰى	بڑی مصیبت
اَلنَّبَاُ الْعَظِيْمُ	بڑی خبر

قیامت کے چند اوصاف جو قرآن میں بیان کئے گئے

قیامت کے جو قرآنی نام پیچھے بیان کئے گئے ہیں وہ اسم مفرد یا اضافت یا صفت کی صورت میں ہیں۔ ان کے علاوہ قیامت کے متعدد

اوصافی نام بھی قرآن حکیم میں آئے ہیں جو فقروں اور جملوں میں ہیں مثلاً:۔

- لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ (آل عمران ۱-۳) جس دن میں کوئی شک نہیں۔
- يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ (انعام و نحل و طٰہٰ) جس دن نرسنگھا پھونکا جائے۔
- يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ (قمر-۱) جسدن لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔
- وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ۔ (فرقان-۳) جس دن آسمان پھٹے گا۔
- يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ (شعراء-۵) جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔
- يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ۔ (ابراہیم-۷) جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی۔
- وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ (مومن-۶) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔
- يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ. وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (معارج-۱) جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور پہاڑ روئی کے گالوں کے مانند ہو جائیں گے۔
- يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ۔ (مزمل-۱) جس دن زمین اور پہاڑوں میں لرزہ ہوگا۔
- يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ۔ (مائدہ-۱۶) جس دن سچوں کو ان کی سچائی کام دے گی۔

- يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا۔ (انفطار-۱) — جس دن کوئی کسی دوسرے کے لئے کچھ نہ کر سکے گا۔
- وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ۔ (فرقان-۳) — جس دن گنہگار اپنے دونوں ہاتھ چبائے گا۔
- يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ (نور-۳) — جس دن اُن کی زبانیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی۔
- يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (مطففین-۱) — جس دن لوگ جہانوں کے پروردگار کے لئے کھڑے ہوں گے۔
- يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ۔ (عبس-۱) — جس دن آدمی اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔

قیامت کی تین قسمیں

بعض علماء نے قیامت کی تین قسمیں بیان کی ہیں :-

۱۔ قیامتِ صغریٰ :- اس سے مراد فردِ واحد کی موت ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ یعنی تم میں سے کوئی شخص مر گیا تو اس کی قیامت قائم ہو گئی۔

۲۔ قیامتِ وسطیٰ :- اس سے مراد کسی گروہ یا ایک زمانے کے لوگوں کی موت ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بدوی لوگ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی

خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کے بارے میں دریافت کرتے تو آپؐ
ان میں سب سے چھوٹے کو دیکھ کر فرماتے :-

اِنْ یَعِش ھٰذَا لَمْ یُدْرِکْہُ الْھَرَمُ قَامَتْ عَلَیْکُمْ سَاعَتُکُمْ۔

(یعنی یہ لڑکا زندہ رہا تو ابھی بوڑھا نہیں ہوگا کہ تمہاری قیامت قائم ہو جائے گی۔)

مطلب یہ کہ انسان کی اوسط عمر کے لحاظ سے بڑی عمر والا (پہلے پیدا ہونے والا) پہلے مرتا ہے اور چھوٹی عمر والا (بعد میں پیدا ہونے والا) بعد میں مرتا ہے۔ عام طور پہ دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان اپنے بچپن میں جن لوگوں کو بوڑھا دیکھتا ہے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے مر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ بوڑھا ہوتا ہے تو اس کے بچپن کے بیشتر بوڑھے وفات پا چکے ہوتے ہیں۔ صرف بوڑھے ہی نہیں بلکہ اس سے بڑی عمر کے اور بھی بہت سے لوگ دارِ عدم کو سدھار چکے ہوتے ہیں۔ گویا ایک انسان کے بوڑھا ہونے تک ایک زمانہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی قیامتِ وسطیٰ ہے۔

۳۔ قیامتِ کبریٰ :- اس سے مراد وہ حقیقی قیامت ہے جس میں تمام نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ مُردے قبروں سے جی اُٹھیں گے اور میزانِ عدل قائم کیا جائے گا۔ تحریر و تقریر میں مجرد "قیامت" کے لفظ کا استعمال بالعموم "قیامتِ کبریٰ" ہی کے لئے کیا جاتا ہے۔

قیامت کب آئے گی

قیامت (کبریٰ) کے بارے میں قرآن و حدیث میں ایسے اشارے تو ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا وقت قریب ہے لیکن اس کے لئے کسی وقتِ معیّن کی تخصیص نہیں کی گئی اور فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے برپا ہونے کا وقت صرف اللہ تعالےٰ ہی کو معلوم ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ قیامت برپا ہونے کے خاص وقت کا علم نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی دیا گیا ہے لیکن حضورؐ نے اُسے اُمّت پر ظاہر نہیں فرمایا۔ اس کے برعکس دوسرے علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے وقتِ معیّن کا علم صرف اللہ تعالےٰ کو ہے۔ اپنے مسلک کی تائید میں وہ قرآن حکیم کی متعدد آیات اور کئی احادیثؐ پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں :۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ۔ (لقمان ۔ ع ۔ ۴)

(بلاشبہ قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔)

سورۂ ملک میں ہے :۔

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (ع ۔ ۲)

(اور کفّار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اے پیغمبرؐ

ان سے کہہ دیں کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے اور میں
تو خدا کے عذاب سے صاف طور پہ ڈرانے والا ہوں۔)

سورۂ نازعات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا، فِیْمَ اَنْتَ مِنْ
ذِکْرٰاهَا، اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا۔ (ع ۲۰)

(لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ
کب آئے گی۔ آپ اس کی یاد سے کس خیال میں ہیں۔ اس
کے علم کی انتہا تو بس آپ کے رب کے پاس ہے۔)

اسی طرح سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے:۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ رَبِّیْ۔ (ع ۲۳)

(اے پیغمبرؐ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت
کرتے ہیں کہ یہ کب قائم ہو گی۔ آپؐ کہہ دیں کہ اس کا
علم تو بس خدا ہی کو ہے۔)

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی رحلت سے ایک مہینہ پہلے
سنا آپ فرماتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے
ہو حالانکہ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

صحیحین میں ایک حدیث حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے

کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک اعرابی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے کئی سوالات پوچھے ان میں سے ایک سوال یہ تھا۔

مَتَیٰ السَّاعَۃُ (قیامت کب آئے گی؟)

حضورؐ نے جواب دیا۔

مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ۔ (جس سے قیامت کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کے متعلق سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا)

آیات و احادیث مندرجہ بالا سے یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں رہتی کہ قیامت قائم ہونے کا وقت اللہ تعالےٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ اس لئے کسی انسان کو اس کی کرید نہیں کرنی چاہیئے۔ جن علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بھید ظاہر فرما دیا تھا وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حضورؐ نے یہ بھید اپنے تک ہی محدود رکھا اور امت پر ظاہر نہیں فرمایا۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ جو قیاس آرائی کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کا وقت شاید قریب ہی ہو۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ۔

(اور آپ کیا جان سکتے ہیں شاید قیامت قریب ہی آ گئی ہو۔)

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:۔

وَيَقُولُونَ مَتیٰ هُوَ، قُلْ عَسیٰ اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا

(یہ لوگ پوچھیں گے کہ بھلا قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہہ دیجئے عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی آ لگی ہو۔)

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا ہے :۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ط وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝ ۶۳ (ع-۸)

(لوگ آپؐ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی۔ آپؐ کہہ دیں کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے اور آپ کو کیا معلوم شاید وہ گھڑی قریب ہی آ لگی ہو۔)

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ نظامِ کائنات کی عمر لاکھوں کروڑوں برس کی ہے۔ اسی نسبت سے "قریب" کا لفظ ہزاروں سال پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔ البتہ ایک بات کو نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ قیامت اچانک ہی آ جائے گی۔ قرآنِ حکیم کی متعدد سورتوں میں قیامت کے "آناً فاناً" واقع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے :۔

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً

(قیامت تو بس اچانک ہی تم لوگوں کے سامنے آ موجود ہو گی۔)

سورهٔ حج میں فرمایا گیا ہے :۔
حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً ۔ (ع - ۷)
(یہاں تک کہ قیامت ان پر یکایک آپہنچے گی ۔)
سورهٔ محمدؐ میں ارشاد ہوا ہے :۔
فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً ج (ع - ۲)
(اب یہی راہ دیکھتے ہیں قیامت کی کہ ان پر اچانک آکھڑی ہو)
اسی طرح اور بھی کئی جگہ قیامت کے وقوع کے بارے میں بَغْتَةً کا لفظ آیا ہے جس کے معنی اچانک اور یکایک کے ہیں ۔ اس کی تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے کہ دو شخص کپڑا پھیلائے خرید وفروخت کر رہے ہوں گے ۔ ابھی وہ کپڑا لپیٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت آجائے گی ۔ ایک شخص اپنا حوض لیپ رہا ہو گا اس میں سے پانی بھی نہ پلا سکے گا کہ قیامت آجائے گی ۔ ایک شخص اونٹنی کا دودھ دوہ کر لے جا رہا ہو گا اور اسے چکھنے بھی نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی ۔ ایک شخص نے روٹی کا لقمہ اٹھایا ہی ہو گا کہ اس کے منہ میں رکھنے سے قبل ہی قیامت آجائے گی ۔

آثارِ قیامت

قیامت آنے کا کوئی خاص وقت تو انسانوں پر ظاہر نہیں کیا گیا ۔ البتہ بعض احادیث میں کچھ ایسی علامتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ظہور قربِ قیامت

کی دلیل ہوگا۔ ان علامتوں کو آثار یا اشراط کہا جاتا ہے (آثار کے معنی "علامتیں" اور اشراط کے معنی "نشان" کے ہیں) اس سلسلہ کی تین مشہور حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کی علامات یہ ہیں :-

۱۔ دو بڑی جماعتوں میں خونریز جنگ ہوگی اور دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔
۲۔ تقریباً تیس ایسے جھوٹے دجّال پیدا ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک نبوّت (یا رسالت) کا دعویٰ کرے گا۔
۳۔ علم اٹھا لیا جائے گا۔
۴۔ زلزلے کثرت سے آئیں گے۔
۵۔ زمانہ قریب ہو جائے گا۔
۶۔ فتنے اور فساد کثرت سے برپا ہوں گے۔
۷۔ قتل و خونریزی کی کثرت ہوگی۔
۸۔ مال کی اتنی کثرت اور فراوانی ہوگی کہ کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہ ملے گا۔
۹۔ لوگ عمارتوں کی تعمیر میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں گے اور ان پر فخر کریں گے۔
۱۰۔ ایک شخص دوسرے کی قبر کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا کہ کاش اس قبر میں میں ہوتا۔

۱۱- سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ اسے دیکھ کر سب لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن اسوقت کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا۔ (صحیح بخاریؒ)

علماء نے ان آثار کی تشریح اس طرح کی ہے۔

۱- اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور امیر معاویہؓ کے مابین جنگ کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں دونوں فریقوں کا دعویٰ تھا کہ وہ حق پر ہیں اور کتاب وسنت پر عمل کر رہے ہیں

۲- عرب خاص اور کئی دوسرے ممالک میں اب تک کئی جھوٹے مدعیانِ نبوّت پیدا ہو چکے ہیں۔

۳- علم سے مراد "علمِ دین" ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ علم کے اٹھائے جانے کے معنی یہ ہیں کہ علمائے حق نہ رہیں گے۔ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے۔ ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی راہِ راست سے بھٹکائیں گے۔

۴- زلزلے کثرت سے آئیں گے۔

زلزلے تو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے مختلف حصّوں میں آتے رہتے ہیں۔ البتہ جب یہ بڑی کثرت اور تواتر سے آنے لگیں تو یہ قربِ قیامت کی دلیل ہوں گے۔

۵- زمانہ کے قریب ہونے کے بارے میں علماء کی توضیحات میں اختلاف ہے

بعض فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ برکت اٹھ جائے گی بعض کہتے ہیں کہ مال و دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کی کثرت سے وقت گذرنے کا پتہ نہ چلے گا۔ کچھ اس طرف گئے ہیں کہ آمد و رفت کے ذرائع میں اس قدر ترقی ہو گی کہ مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا گھنٹوں میں طے ہو گا۔ اسی سے زمانہ کا قریب ہونا مراد ہے۔

بعض علماء نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ لوگ دین سے بیگانہ ہونے کے معاملہ میں ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔ لیکن ان توضیحات کے ساتھ ہی کچھ احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فی الواقع وقت اتنی تیزی سے گذرے گا کہ ایک سال ایک مہینے کی طرح ہو گا اور مہینہ ایک ہفتے کی طرح۔ ہفتہ ایک دن کی طرح اور ایک دن ایک گھڑی کی طرح۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۔ فتنے اور فساد برپا ہوں گے۔ } یہ دونوں باتیں بالکل واضح ہیں
۷۔ قتل و خونریزی کی کثرت ہو گی۔ } تشریح کی ضرورت نہیں۔

۸۔ مال کی کثرت اور فراوانی کے کئی ادوار پہلے بھی گذر چکے ہیں اور آئندہ بھی آئیں گے۔

۹۔ بلند و بالا اور عالیشان عمارتوں کی تعمیر تو آج کل عام ہو گئی ہے اور لوگ اپنی تعمیرات پر اتراتے بھی ہیں گویا قیامت کی یہ علامت ظاہر ہو گئی ہے۔

۱۰۔ کسی کی قبر کو دیکھ کر خود مردہ ہونے کی تمنّا کرنا صرف اسی وقت ممکن ہے

جب مصائب کی کثرت سے انسان شکستہ دل اور مایوس ہو جائے جب لوگ بالعموم ایسی تمنا کرنے لگیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر طرف مصائب کا ہجوم ہوگا اور مال و دولت کی کثرت اور بلند و بالا عمارتیں تسکینِ قلب کا سامان نہیں بن سکیں گی۔ موت کی تمنا کرنے کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دین میں فتنے پیدا ہو جائیں گے اس وقت ایسی تمنا کرنا جائز ہے۔

۱۱۔ جب نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا اور زمین سورج اور چاند کی گردش میں توازن قائم نہیں رہے گا تو سورج کا مغرب سے طلوع کرنا معمولی بات ہوگی۔ جب زمین کی گردش الٹ جائے تو لامحالہ سورج مغرب سے طلوع ہوتے دکھائی دیگا۔ یہ قیامتِ کبریٰ کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ اس وقت ایمان لانے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ زندگی کا جو وقت میسّر ہے اسے غنیمت سمجھے اور دینِ برحق کو سچے دل سے قبول کرکے احکامِ الٰہی کی اطاعت کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مغرب سے طلوعِ آفتاب کے بعد لوگ ایک سو بیس سال تک باقی رہیں گے۔ لیکن بہت سے علماء اس حدیث کی روایت کو مرفوعاً صحیح نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا قیامت کی آخری نشانیوں میں سے ہے۔

ب۔ حضرت عمر فاروق رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ میں تمہیں قربِ قیامت کی چند علامات بتاتا ہوں۔

جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے تو یہ بھی اس کی ایک علامت ہے جب شکستہ حال گڈریے دوسروں کے سردار بن جائیں تو یہ بھی اس کی ایک علامت ہے اور جب بکریاں چرانے والوں کے مکانات بادشاہوں کے محلوں کو شرمائیں اور وہ ان پر اترائیں تو یہ بھی اس کی ایک علامت ہے۔ (صحیحین)

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ لونڈی کا اپنے مالک یا مالکہ کو جننے کا مطلب یہ ہے کہ لونڈیوں اور گرفتار شدہ عورتوں کی اولاد بکثرت ہو گی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اولاد ماں باپ کو اپنا چاکر بنا لے گی۔

شکستہ حال گڈریوں کی سرداری سے یہ مراد ہے کہ قوموں کی قسمت نااہل اور انجام سے بے خبر لوگوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ عالیشان عمارتوں پر اترانے کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ اپنا ماضی یاد رہیگا اور نہ ان کو اپنی موت یاد رہے گی۔

ج۔ حضرت حذیفہؓ بن سید الغفاری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلس میں تشریف لائے اور ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا کس بات کا ذکر ہو رہا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا وہ ہرگز قائم

نہ ہوگی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں اور پھر آپؐ نے دس نشانیاں یہ بتائیں :۔

(۱) دھواں (۲) دجّال (۳) دابّۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا نزول (٦) یاجوج ماجوج (۷) تین بڑے خسف (زمین کا دھنس جانا) ایک مشرق میں (۸) دوسرا مغرب میں (۹) تیسرا جزیرۃ العرب میں (۱۰) ایک زبردست آگ جو یمن سے اٹھے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔" (صحیح مسلم۔ کتاب الفتن واشراط الساعۃ۔ ابو داؤد کتاب الملاحم، باب امارات الساعۃ)

یہاں یہ بات خاص طور پہ ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ اوپر کی حدیث میں قیامت کی جو علامات بیان کی گئی ہیں ان کو علاماتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اور بھی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں کم و بیش تمام علاماتِ کبریٰ کا ذکر ہے۔ لیکن ان علامات کی ترتیبِ وقوع میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں تعارض بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اکثر احادیث کی روایت بالمعنیٰ ہے یعنی راوی نے حضورؐ کے ارشادات کا مفہوم ــــ نیک نیتی کے ساتھ اور اپنی سمجھ کے مطابق اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے اس لئے ان کی تعبیر میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض احادیث اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ ان میں کسی ایک علامت یا چند علامتوں کی تفصیل بیان

کی گئی ہے اور دوسری علامات کا ان میں ذکر نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری علامات کی نفی کی گئی ہے۔ علاماتِ کبریٰ کی ترتیبِ وقوع میں اختلاف سے قطعِ نظر محدثین نے ان علامات کی جو تشریح کی ہے ہم اس کو یہاں اجمالاً بیان کرتے ہیں۔

۱۔ دھواں :۔ امام بغویؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے قیامت کی علامات بیان کیں تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ دھواں کیا چیز ہے۔ حضورؐ نے یہ آیت پڑھی :۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(پس منتظر رہ اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں ظاہر کہ ڈھانپ لے گا لوگوں کو۔ یہ عذاب درد دینے والا ہے)

پھر فرمایا دھواں مشرق سے مغرب تک کو ڈھانپ لے گا اور چالیس روز تک رہے گا۔ مسلمانوں کو اس سے زکام ہو جائے گا اور کافر بیہوش ہو جائیں گے اور ان کے ناک، کان اور سرین سے دھواں نکلے گا۔

۲۔ دجّال :۔ دجّال ایک عجیب و غریب شخصیت ہے جس کے ظہور کو قربِ قیامت کی ایک علامتِ کبریٰ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جہاں تک دجال کے ظہور کا تعلق ہے اس میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی اشکال البتہ دجّال کے اوصاف و خصائص کے بارے میں علماء کی آراء میں خاصہ اختلاف

ہے چونکہ ہماری کتاب کا موضوع ایسی روایات و اختلافات کی چھان پھٹک کرنا نہیں ہے اس لیئے ہم یہاں دجّال کی شخصیت اور اوصاف کے بارے میں مختلف روایات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

زمانۂ آخر میں عراق اور شام کے درمیان سے ایک یک چشم یہودی ظاہر ہوگا جو مسیح ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ وہ بڑا مکّار اور کذّاب شخص ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا جو ہر مسلمان پڑھ سکیگا۔ عمر کے لحاظ سے وہ جوان ہوگا اور اس کے بال گھونگھریالے ہوں گے۔ ستر ہزار یہودی اس کے ہمراہ ہوں گے وہ ہر طرف فساد برپا کریگا۔ اور زمین پر چالیس دن ٹھہرے گا۔ بعض روایات کے مطابق وہ چالیس دن میں سارے کرۂ ارض پر گھوم جائے گا۔ ایک دن اس کا ایک سال کے برابر ہوگا۔ دوسرا دن ایک مہینہ کے برابر تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر اور دوسرے دن عام دنوں کے مانند ہوں گے۔ بعض علماء نے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں پر مصائب و شدائد کے ایسے پہاڑ ٹوٹیں گے کہ ان کو ایک دن ایک سال کے برابر محسوس ہوگا۔ دجّال بعض مافوق الفطرت قوتوں کا مالک ہوگا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ قوتیں اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور خاص دی جائیں گی تاکہ مومنوں کی آزمائش کی جائے لیکن علماء کی ایک دوسری جماعت نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دجال سے جو عجیب و غریب

امور ظاہر ہوں گے وہ محض فریبِ نظر اور شعبدہ بازی ہوگی اور ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوگی ۔ اسکی خارقِ عادت باتیں دیکھ کر مومنوں کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوگا اور وہ ان کو اس کے کذّاب ہونے پر پختہ دلیل سمجھیں گے ۔ البتہ جن کے دلوں میں مرض ہے انہیں اور شکوک پیدا ہوں گے اور وہ گمراہ ہوکر دجال کے ساتھی بن جائیں گے دجّال کے خارقِ عادت امور میں چند یہ ہیں کہ اس کے کہنے پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین سے سبزہ اُگیگا ۔ اس کے حکم سے زمین اپنے خزانے اُگل دے گی ۔ ایک مسلمان کو قتل کر کے اس کو پھر زندہ کر دے گا ۔ اس کے ساتھ ایک مصنوعی جنّت اور ایک مصنوعی دوزخ ہوگی ۔ جس چیز کو لوگ جنّت سمجھیں گے وہ ان کے لئے جہنّم بن جائے گی ۔ دوسرے الفاظ میں دجّال جن مومنوں کو اپنی جہنّم میں پھینکے گا ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنّت میں پہنچا دے گا اور جن لوگوں کو وہ خوش ہوکر اپنی جنّت میں داخل کرے گا اللہ تعالےٰ ان کو جہنّم میں پھینک دے گا ۔ غرض جب دجّال کا شر اپنے عروج پر پہنچ جائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا (اس کی تفصیل آگے آئے گی) وہ دجّال کو قتل کرینگے اور اس کے لشکر کے پرخچے اڑا دیں گے ۔

۳ ۔ دَابَّۃُ الْاَرْض :۔ دابۃ الارض کے ظہور کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں قربِ قیامت کی نشانی قرار دیا ہے ۔ چنانچہ سورۂ نمل میں ارشاد ہوا ہے :۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (ع-۶)

(یعنی جب ان لوگوں پر ہمارا قول (وعدۂ قیامت) پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا۔ اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ دابۃ الارض کا ظہور اس وقت ہوگا جب زمین پر کوئی بدی سے روکنے والا اور نیکی کا حکم کرنے والا باقی نہ رہے گا۔

قرآنِ حکیم سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ دابۃ الارض کوئی عجیب وغریب جانور ہوگا۔ جس کو قوّتِ نطق حاصل ہوگی۔ البتہ اس جانور کی ماہیّت اور صفات کے بارے میں مفسّرینِ قرآن اور شارحینِ حدیث کے مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں :-

ا۔ وہ ایک عظیم الجثہ چوپایہ ہوگا اور نہایت تیز رفتار ہوگا۔ لوگوں سے باتیں کرے گا۔ مسلمان کو "یا مومن" اور کافر کو "یا کافر" کہہ کر پکارے گا۔ وہ ہر مومن اور کافر کی پیشانی پر ایک نشان ثبت کر دیگا جس سے ان کی تخصیص ہو سکے گی۔

ب۔ وہ اپنی قسم کا دنیا میں واحد جانور ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک قسم کی جنسِ حیوان ہو جس کے بہت سے افراد دنیا میں پھیل جائیں

کیونکہ دابۃ الارض کے الفاظ میں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔ بہرصورت اس کے ذریعے اللہ تعالےٰ نوعِ انسانی پر آخری بار حجّت قائم فرمائے گا۔ جو لوگ روزِ آخرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے وہ ان سے کہے گا کہ لو اب اس کا وقت آپہنچا ہے اور جان لو کہ اللہ تعالےٰ کی آیات سچّی تھیں۔

ج۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ چوپایہ ہوگا یا انسان کی طرح دو پاؤں رکھتا ہوگا۔ بہرصورت وہ زمین پر چلنے والی کوئی عجیب شے ہوگی جو لوگوں سے باتیں کرے گی اور منکرین کو الزام دے گی۔

مختصر یہ کہ دابۃ الارض کی ماہیّت اور اوصاف امورِ غیب سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ بہرحال اس کے ظہور پر ایمان لانا فرض ہے۔

۴۔ **سورج کا مغرب سے طلوع ہونا**۔ اس کی تشریح پیچھے کی جاچکی ہے۔

۵۔ **عیسےٰؑ ابن مریمؑ کا نزول**۔ جب دنیا میں شرّ و فساد اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ فتنۂ دجّال سے مخلوقِ خدا الامان الامان پکار اٹھے گی اور مسلمان مصائب وشدائد کی چکّی میں پس رہے ہوں گے۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا نزول ہوگا۔ اس سلسلہ کی چند احادیث ہم یہاں درج کرتے ہیں جن سے اس واقعہ کی پوری کیفیّت ذہن نشین ہوجائے گی۔

۱۔ حضرت نواسؓ بن سمعان کلابیؓ (قصہ دجال بیان کرتے ہوئے) روایت کرتے ہیں کہ اس اثناء میں کہ دجال یہ کچھ کر رہا ہوگا اللہ تعالیٰ مسیحؑ ابن مریمؑ کو نازل کرے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصے میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے جب وہ سر جھکائیں گے تو ایسا محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں۔ جب وہ سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی اور وہ ان کی حدِّ نظر تک جائے گی وہ زندہ نہ بچے گا۔ پھر ابنِ مریمؑ دجّال کا پیچھا کریں گے اور لُدّ کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔ (صحیح مسلم ذکر الدجّال)

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ (دجّال کا قصّہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا) اس وقت یکایک عیسیٰؑ ابن مریمؑ مسلمانوں کے درمیان نازل ہوں گے۔ پھر نماز کھڑی ہوگی اور ان سے کہا جائے گا۔ اے رُوح اللہ آگے بڑھیے مگر وہ کہیں گے کہ نہیں، تمہارے امام ہی کو آگے بڑھنا چاہیئے وہی نماز پڑھائے پھر صبح کی نماز سے فارغ ہوکر مسلمان دجّال کے مقابلے پر نکلیں گے۔ جب وہ کذّاب، حضرت عیسیٰؑ کو دیکھے گا تو گھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھیں گے اور اسے قتل کر دیں گے اس

وقت یہ کیفیت ہوگی کہ درخت اور پتھر بھی پکاریں گے کہ اے روح اللہ یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ دجّال کے پیروؤں میں سے کوئی نہ بچے گا جو قتل نہ کر دیا جائے۔ (مسند امام احمدؒ)

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریمؑ حاکم عادل بن کر، پھر وہ صلیب توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو ہلاک کر دیں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے اور مال کی وہ کثرت ہوگی کہ اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ رہے گا اور ایک سجدہ کر لینا دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہوگا۔ (صحیح بخاریؒ)

شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں صلیب کو توڑنے اور خنزیر کو ہلاک کرنے مطلب یہ ہے کہ عیسائیّت ایک الگ دین کی حیثیّت سے ختم ہو جائے گی کیونکہ حضرت عیسیٰؑ عیسائیوں کے خود ساختہ عقاید کی تکذیب کریں گے اور یہ بھی کہ خنزیر قطعی طور پر حرام ہے میں نے اس کو اپنے پیروؤں کے لئے ہرگز حلال نہیں کیا تھا۔ جزیہ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت سب لوگ ایک ہی دین یعنی دینِ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔ اس طرح نہ جنگ ہوگی اور نہ کسی پر جزیہ عائد کیا جائے گا

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ (دجّال کا قصہ بیان کرتے ہوئے) روایت کرتی ہیں۔ "پھر عیسیٰؑ اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ اس کے

بعد وہ چالیس سال تک زمین میں ایک امامِ عادل اور حاکمِ منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔ (مسند احمدؒ)

شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام شریعتِ محمدیؐ کے تابع ہوں گے اور اسی کو قائم کریں گے۔ ان کی حیثیت ایک امامِ عادل اور حاکمِ منصف کی ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عیسےؑ زمین پر صرف سات سال ٹھہریں گے (مسلم۔ عن عبداللہؓ بن عمرؓ) تاہم جمہور علماء کی رائے میں حضرت علیٰؑ کا زمین پر قیام چالیس یا پینتالیس سال ہوگا۔ بعض علماء نے ۴۵ سال کی مدت میں وہ زمانہ بھی شمار کیا ہے جب حضرت علیٰؑ پہلی بار دنیا میں تشریف لائے اور اڑتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

۶۔ **یاجوج ماجوج کا خروج۔** قرآن حکیم میں دو جگہ یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے۔ سورۂ کہف میں ارشاد ہوا ہے:۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ، فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ، وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ، وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ (ع۔۱۱)

(ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو روکنے کے لئے ایک زبردست آہنی دیوار کھڑی کرنے کے بعد) کہا یہ (جو کچھ ہوا فی الحقیقت) میرے رب کی رحمت ہے۔ جب میرے رب کی فرمائی ہوئی بات ظاہر ہوگی تو وہ اسے گرا کر ریزہ ریزہ کر دیگا۔ اور میرے رب کی

فرمائی ہوئی بات سچ ہے جو ٹل نہیں سکتی اور جس دن وہ بات ظہور میں آجائے گی تو اس دن ہم ایسا کریں گے (کہ سمندر کی لہروں کی طرح ان قوموں میں سے) ایک (قوم) دوسری (قوم) کے درمیان بہنے لگے گی اور نرسنگھا پھونکا جائے گا اور ساری قوموں کی بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی۔)

مفسرین کہتے ہیں کہ جب ذوالقرنین کی کھڑی کی ہوئی رکاوٹ ڈھے جائے گی تو یاجوج ماجوج کا سیلاب آجائے گا۔

سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا ہے:۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ٥ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ٥ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ٥ (ع-۷)

(اور جس آبادی کے لئے ہم نے ہلاکت ٹھہرا دی وہ کبھی (اپنی سرکشی و غفلت سے) لوٹنے والے نہیں۔ جب وہ وقت آجائے گا تو وہ زمین کی تمام بلندیوں سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سچے وعدے کی گھڑی قریب آجائے گی تو اس وقت ایسا ہو گا کہ لوگوں کی آنکھیں (مارے دہشت اور حیرت کے) کھلی کی کھلی رہ جائینگی۔ ان لوگوں کی آنکھیں جنہوں نے (اللہ کی آیات سے) انکار کیا تھا (وہ پکار

اٹھیں گے) افسوس ہم پر کہ ہم اس ہولناک گھڑی سے غافل رہے بلکہ ہم سرکشی اور شرارت میں سرشار تھے۔)

قرآن حکیم کی ان آیات کے علاوہ متعدد احادیث بھی یاجوج ماجوج کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج مختلف پہاڑی قبائل پر مشتمل کوئی سخت جنگجو وحشی اکھڑ اور ظالم قوم ہوگی وہ اپنے پہاڑی مسکنوں سے اتر کر اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو توڑتے ہوئے نہایت تیزی سے مختلف اطراف میں پھیل جائے گی۔ اور اپنی زبردست جنگی صلاحیتوں کی بدولت ایک دنیا کو زیر و زبر کر ڈالے گی۔ مسلمان ان کے ہاتھوں بڑے دُکھ اٹھائیں گے اور بارگاہِ رب العزت میں دعا کریں گے کہ وہ ان ظالموں کو غارت کرے بالآخر ان میں ایک خوفناک بیماری پھیل جائیگی (بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا ہو جائیں گے) جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ قیامت سے بہت قریب کا زمانہ ہوگا۔

بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کا ظہور چھٹی صدی ہجری میں ہو چکا ہے۔ یہ لوگ دشتِ منگولیا کے تاتاری تھے۔ جنہوں نے پہلے چنگیز خاں اور پھر ہلاکو خاں کی قیادت میں دنیا کے وسیع علاقوں (اور بالخصوص عالمِ اسلام) کو تاخت و تاراج کر ڈالا تھا اور مفتوحین پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے تھے کہ ارض و سما کانپ اٹھے تھے۔ یہ علماء کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں بیان کی ہوئی تمام علامات

تاتاریوں کی یلغار پر منطبق ہوتی ہیں۔ اس خیال کے برعکس دوسرے تمام علماء کی رائے یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا ظہور آئندہ کسی زمانے میں ہوگا جس کے بعد بہت جلد قیامت کبریٰ آجائے گی۔ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسیٰؑ کے ہمعصر ہوں گے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کا ظہور ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۷۔۸۔۹۔ تین بڑے خسف :۔ (LANDSLIDE) دنیا میں زلزلے آتے رہتے ہیں۔ ان زلزلوں میں زمین دھنس جانے (خسف) کے ہولناک مناظر بھی کئی دفعہ دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں۔ چند سال ہوئے جنوبی امریکہ کے ملک چلّی میں کئی دن تک زلزلے کے خوفناک جھٹکے آتے رہے۔ ان جھٹکوں میں کئی جگہ زمین کے بڑے بڑے قطعے نیچے دھنس گئے اور وہاں ہولناک شگاف پڑ گئے جن میں گر کر ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب دنیا میں اس قسم کے تین بڑے غیر معمولی خسف واقع ہوں گے کہاں اور کس جگہ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۰۔ ایک زبردست آگ جو یمن سے اُٹھے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائیگی :۔ اس آگ کے لگنے کی وجہ اور اس کی ماہیّت کی تفصیل احادیث میں نہیں ملتی البتہ یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قیامت برپا ہونے کے متصل ہوگا۔

امام مہدیؓ کا ظہور

قیامتِ کبریٰ کی جن علامات کا ذکر پیچھے کیا گیا ہے ان کے علاوہ ایک اور علامت کا ذکر بھی بعض حدیثوں میں آیا ہے۔ یہ علامت ہے "امام مہدیؓ" کا ظہور۔ امام مہدی کے نام و نسب اور اوصاف و اعمال کے بارے میں علماء میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم جمہور علمائے اہل سنّت کے نزدیک ان کا نام محمد بن عبداللہ یعنی رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی پر ہوگا۔ ان کے نسب کے بارے میں تین روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حضرت امام حسنؓ کی اولاد سے ہوں گے دوسری یہ کہ وہ حضرت امام حسینؓ کی اولاد سے ہوں گے۔ تیسری یہ کہ وہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطّلب کی اولاد سے ہوں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ شکل و صورت اور سیرتِ باطنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مشابہت رکھتے ہوں گے۔ امام مہدیؓ کے بارے میں ہم یہاں تین مشہور حدیثیں درج کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا ختم نہ ہوگی تاوقتیکہ میرے اہل بیت سے ایک آدمی عرب کا مالک نہ ہولے۔ اس کا نام میرے نام پر ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے پُر کر دے گا جو اس کے آنے سے پہلے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

۲۔ حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ امام مہدی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ اہلِ زمین اور اہلِ آسمان سب ان سے خوش ہوں گے۔ آسمان بارش برسانے میں اور زمین سبزی اگانے میں کمی نہیں کرے گی اور آدمی آرزو کریں گے کہ کاش اس وقت مردے بھی زندہ ہوتے توشاد و کامران ہوتے۔ (مستدرک حاکم)

۳۔ اُمِّ سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت بادشاہِ اسلام فوت ہو جائے گا اس وقت اہلِ مدینہ سے ایک آدمی نکلے گا اور مکہ کی طرف چلا جائے گا اور لوگ اس سے بیعتِ خلافت کرنا چاہیں گے لیکن وہ عذر کرے گا۔ پھر لوگ رکن و مقام کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اس کے بعد شام کا ایک لشکر اس پر چڑھائی کرے گا۔ وہ لشکر مکہ اور مدینہ کے درمیان زمین میں دھنس جائے گا۔ پھر شام اور عراق کے ابدال و عصائب (ابدال کی طرح مردانِ خدا کی ایک جماعت) اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پھر ایک آدمی قریش سے خروج کرے گا کہ اس کے ماموں قبیلہ بنی کلب سے ہوں گے۔ امام مہدی اس پر لشکر کشی کریں گے اور غالب ہوں گے۔ امام مہدی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں گے۔ اس زمانہ میں اسلامی شان و شوکت پورے عروج پہ ہو گی۔ امام مہدی سات برس حکومت کریں گے۔ اس کے بعد وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز پڑھیں گے۔ (ابو داؤد)

شیعہ حضرات بھی ظہور امام مہدی کے قائل ہیں تاہم اس بارے میں ان کے دو نظریئے ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ بارہویں امام محمد بن حسن عسکری نو سال کی عمر میں (۲۶۵ھ میں) غایب ہو گئے اور سامرا کے ایک تہ خانے میں مقیم ہیں۔ وقت مقررہ پر وہی امام مہدی کی حیثیت سے ظاہر ہوں گے۔ شیعہ کیسانیہ کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہؒ امام مہدی ہیں وہ کوہ رضویٰ میں مقیم ہیں۔ دو شیر ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کے پاس ایک پانی کا اور ایک شہد کا چشمہ جاری ہے۔ وقتِ مقررہ پر وہ امام مہدی کی حیثیت سے دنیا میں آئیں گے۔ ان روایات سے قطع نظر اللہ تعالیٰ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ قیامت سے پہلے کسی زمانہ میں ایک زبردست قائد پیدا کرے جو مسلمانوں کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے ان کو ایک لڑی میں پرو دے اور مسلمان کتاب و سنّت کی پیروی کر کے ساری دنیا پر غالب آ جائیں۔

قیامتِ کبریٰ کا ظہور

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ قیامتِ کبریٰ کی علامتیں مدتوں پہلے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی۔ پھر ایک دن اچانک قیامتِ کبریٰ کا ظہور ہو جائے گا۔ اس عظیم الشان دن کو قرآنِ حکیم میں متعدد ناموں سے پکارا گیا ہے اور اس کے متعدد اوصاف بیان کیئے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ نام اور اوصاف ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ قرآن حکیم اور احادیثِ صحیحہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامتِ کبریٰ چار مرحلوں میں برپا ہوگی۔
۱۔ پہلے مرحلے میں صور (نرسنگھا) پھونکا جائے گا جو نظامِ کائنات کی مکمل تباہی اور فنائے حیات پر منتج ہوگا۔
۲۔ دوسرے مرحلے میں پھر صور پھونکا جائے گا اور ہر شے دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔
۳۔ تیسرا مرحلہ حساب کا ہے۔ اس میں ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا کا حکم ہوگا۔
۴۔ چوتھے مرحلے میں ابدی جزا و سزا کا دَور جاری ہو جائے گا۔ جو نیکوکاروں کے لیے جنّت اور نافرمانوں کے لیے دوزخ میں داخلہ کی صورت میں ہوگا۔

اب ہم ان چاروں مرحلوں کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے۔

صورِ قیامت

قیامتِ کبریٰ کا آغاز صور کے پھونکے جانے سے ہوگا۔ صور کی آواز پہلے مدھم اور باریک ہوگی پھر بتدریج بلند ہوتی جائے گی جب یہ اپنی انتہا پر پہنچے گی تو اس وقت نظامِ کائنات کی جو کیفیّت ہوگی اس کا خلاصہ قرآنی الفاظ میں یہ ہے:۔

"زمین بڑے زور سے ہلے گی اور پھٹ جائے گی۔ آسمان پگھلے

ہوئے تانبے کی طرح ہو جائیں گے۔ اور پھٹ جائیں گے۔ تارے بے نور ہو جائیں گے اور جھڑ پڑیں گے۔ آفتاب اور ماہتاب اکٹھا کر دیئے جائیں گے اور وہ بے نور ہو جائیں گے۔ پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ اور دھنی ہوئی اُون یا روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے۔ تمام دریا اور سمندر ایک دوسرے سے مل کر بہہ نکلیں گے۔ ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے ہوئے کو چھوڑ دے گی۔"

غرض کائنات کی ہر چیز زیر و زبر ہو جائے گی اور فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ یہاں تک کہ تمام ملائکہ بشمول ملک الموت بھی مر جائیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ

(آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟)

کوئی جواب دینے والا نہ ہو گا تو خود ہی جواب دیگا۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

(اس ایک سب پر غالب آنے والے کی)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پہلی دفعہ صور پھونکے جانے کا نام نفخۂ فزع ہے۔ اس سے آسمان و زمین والے گھبراہٹ اور دہشت میں آئیں گے۔ کوئی بدحواسی میں ادھر ادھر دوڑے گا۔ اور کوئی متوالوں کی طرح ہکا بکا رہ جائے گا۔ بچے اور جوان بوڑھے ہو جائیں گے۔ ایسا معلوم ہو گا

کہ لوگ نشے میں ہیں - حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے - زمین اس طرح کانپے گی جیسے کشتی دریا میں ڈولتی ہے - لوگ زمین کی لغزش سے بے چین ہو جائیں گے - پہاڑ اڑ جائیں گے اور ریت کی طرح ہو کر گر جائیں گے - پھر زمین پھٹ جائے گی اور آسمان تلچھٹ کی طرح سرخ ہو جائے گا - ستارے گر جائیں گے - سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے - دوسری دفعہ صور پھونکے جانے سے ہر چیز فنا ہو جائے گی - شارحینِ حدیث میں سے بعض نے کہا ہے کہ نفخہء فزع اور نفخہء ثانیہ میں کچھ مدت کا وقفہ ہوگا اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ سب کچھ نفخہء اول ہی کے دو مرحلے ہیں - پہلے مرحلے میں فنا کا آغاز ہوگا جو لمحہ بہ لمحہ اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا اور ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا - بہرصورت قیامت کا آغاز نظامِ کائنات کے درہم برہم ہو جانے سے ہوگا - یہی قیامت کا پہلا مرحلہ ہے -

صورِ قیامت کی حقیقت

صور کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہیں - علمائے اسلام نے بالعموم یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قیامت کے دن فی الواقع صور پھونکا جائے گا اور یہ کام حضرت اسرافیل؈ انجام دیں گے - البتہ بعض علماء اس طرف بھی گئے ہیں کہ نفخِ صور کے الفاظ محاورۃً استعمال کئے گئے ہیں - اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے اظہارِ جلال کا اعلان فرمائے گا - مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبیؐ جلد چہارم میں اس

موضوع پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے :۔

"قرآن میں قیامت کے ذکر میں صور پھونکنے کا بار بار ذکر ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ (پھر جب صور پھونکا جائے گا)۔ صور کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قدیم الایام میں بابلیوں، کنعانیوں آرامیوں اور عبرانیوں وغیرہ تمام پرانی قوموں میں بادشاہی جلال وجلوس اور اعلانِ جنگ کے موقعوں پر نرسنگھا پھونکا جاتا تھا اس لئے نرسنگھا پھونکنے کے معنی شاہی جلال کا اظہار یا غیر معمولی خطرہ کا اعلان ہے۔ چنانچہ توراۃ میں یہ محاورہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے، قرآن میں ہے کہ اس دن ندا ہوگی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دیگا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (اس ایک سب پر غالب آنے والے کی) غرض وہ دن آسمان وزمین اور نظمِ کائنات کے شہنشاہِ مطلق کے اظہارِ جلال اور شدید خطرۂ حساب کے اعلان کا ہوگا، اس لئے نفخِ صور اور نرسنگھا پھونکنے کا قدیم محاورہ اس لیے استعمال کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعتاً اس دن اپنی شہنشاہی کا نرسنگھا پھونکنے کا حکم دے اور اس کی تعمیل ہو، جیسا کہ صور کے لفظی معنی دلالت کرتے ہیں"

فی الحقیقت جمہور علماء کا مسلک وہی ہے جو مندرجہ بالا اقتباس کے آخر میں بیان کیا گیا ہے یعنی واقعۃً نرسنگھا پھونکا جائے گا۔ نرسنگھا بھی اللہ کے حکم سے پھونکا جائے گا اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ ظہور پذیر

ہو گا وہ بھی اللہ کے حکم سے ہو گا۔

بعث

بعث کے معنی جی اٹھنے کے ہیں۔ یہ قیامت کا دوسرا مرحلہ ہے اسی لئے قیامت کے دن کو قرآنِ حکیم میں یَوْمُ الْبَعْثِ بھی کہا گیا ہے۔ بعث کا آغاز بھی صور کے پھونکے جانے سے ہو گا۔ اب کی بار صور پھونکا جائے گا تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام مُردے اپنی اپنی جگہ سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے بارش سے روئیدگی زمین سے سر نکالتی ہے۔ سب سے پہلے ہمارے آقا و مولےٰ جناب محمّد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلم آرام کی نیند سے بیدار ہوں گے۔ پھر دوسرے تمام مومنین اپنی قبروں سے نکل آئیں گے۔ کفّار بھی جی اٹھیں گے اور تمام ملائکہ شیاطین اور جنّات بھی دوبارہ زندہ ہو جائیں گے بعث کے وقت مومنوں کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

(سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہم سے غم کو دُور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا قدر شناس ہے۔)

اور کافر بعث کے وقت کہیں گے:۔

یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔

(اے خرابی کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری خوابگاہ سے
یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اور سچ فرمایا
پیغمبروں نے)

ہر گروہ اپنے عمل والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ نیک نیکوں کے ساتھ۔ بد بدکاروں کے ساتھ، شہید شہیدوں کے ساتھ، کافر کافروں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کرے گا۔ زمین بالکل میدان کفِ دست اور سفید رنگ کی ہوگی۔ سورج بالکل قریب آجائے گا اور زمین تانبے کے گرم توے کی طرح تپے گی۔ لوگ مادر زاد برہنہ ہوں گے مگر کسی کو دوسروں کی تو کیا اپنے تن بدن تک کی خبر نہ ہوگی۔ کوئی دوست اپنے دوسرے دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ انسان اپنے بھائی ماں باپ، بیوی اور اولاد تک سے بھاگے گا۔ سب لوگ "نفسی نفسی" (میری جان میری جان) پکاریں گے۔ البتہ رحمتِ عالم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم "اُمتی اُمتی" (میری امت میری امت) فرمائیں گے۔ سورج کی گرمی سے لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں غرق ہوں گے۔ بعض ٹخنوں تک، بعض زانوؤں تک، بعض کمر تک اور بعض منہ تک۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر شخص کا حشر اس کے عمل پر ہوگا کہ جس پر وہ مرا ہے۔ جو شخص حج کرتے ہوئے فوت ہوا وہ تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا جو شراب پیتے ہوئے مرا وہ نشہ کی حالت میں اٹھے گا جو راہِ حق میں شہید ہوا وہ

اس طرح اٹھے گا کہ اس کے زخموں سے خون بہتا ہوگا جس سے کستوری جیسی خوشبو آئے گی۔

اس وقت سب لوگ دوڑ دوڑ کر اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوں گے۔ سب کی نظریں نیچی ہوں گی۔ وہاں عرش الٰہی کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ سب خدا کے سامنے ایک جگہ کھڑے ہوں گے جس کا نام موقف ہے۔

قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ بعث کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی دلیلیں دی گئی ہیں۔ کفار کہتے تھے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں میں پھر جان پڑ جائے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو بار بار تنبیہ کی کہ میں نے جس طرح تم کو پہلی بار زندگی عطا کی اسی طرح دوسری بار بھی تم کو زندہ کرنے پر قادر ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآنِ حکیم کی چند آیات ملاحظہ فرمائیے:۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ، اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (بنی اسرائیل - ۱۱)

(اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے بنا کر اٹھائے جائیں گے؟ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ ان لوگوں کے مثل کو (دوبارہ بھی) بنا سکتا ہے)

سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا ہے :-

كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ - (ع-۷)

(جس طرح ہم نے کائنات کو پہلے پیدا کیا اسی طرح اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے جس کا پورا کرنا لازم ہے اور یہ کام ہمیں بہر حال کرنا ہے)

سورۂ یٰسین میں فرمایا گیا ہے۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ، قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ أَنْشَاَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ، وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (ع-۵)

(وہ بولا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون جلائے گا۔ کہدے وہی جس نے پہلی بار ان کو بنایا تھا اور وہ سب کچھ پیدا کرنا جانتا ہے۔)

سورۂ حج میں آیا ہے :-

إِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ تُرَابٍ - (ع-۱)

(اگر تم کو دوبارہ زندگی میں شک ہے تو ہم تو (پہلے) تم کو (اسی مردہ) مٹی سے پیدا کر چکے ہیں) (پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے۔)

سورۂ روم میں فرمایا گیا ہے :-

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ۔

(ع-۳)

(اور اللہ وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے۔ پھر اس کو دوبارہ خلق کرے گا اور یہ اس کے لئے بہت آسان ہے)

غرض اسی طرح قرآن حکیم میں "بعث" کے حق ہونے پہ جگہ جگہ زور دیا گیا ہے اور اس پہ ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

حشرِ جسمانی

جمہور علمائے اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ "بعث" جسم اور جان دونوں کے ساتھ ہوگا۔ قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن فنا شدہ اجسام اور بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ رُوح پھونکی جائیگی اور انسان جسم وجاں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوگا۔ گویا جس طرح قیامت پہ ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح حشرِ جسمانی کا ماننا بھی ضروری ہے۔ اب رہی یہ بات کہ قیامت کے دن جسم کی ماہیت یا ہیئت کیا ہوگی تو قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے اس کا جو جواب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آخرت میں روحوں کو جو جسم ملیں گے ان میں دنیا کے خاکی جسموں کی تمام خصوصیات کا ہونا ضروری نہیں ہے فی الحقیقت اُخروی جسم دنیاوی اعمال کے مطابق ہوں گے یعنی جیسے کسی کے اعمال

ہوں گے۔ ویسے ہی اس کا جسم ہو گا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مومن دنیا میں سیاہ رنگ کا ہے لیکن آخرت میں اس کا رنگ سفید ہو گا جس سے نور پھوٹ رہا ہو گا۔ اسی طرح ایک کافر اور مشرک دنیا میں گورا ہے لیکن آخرت میں اس کا چہرہ سیاہ ہو گا جس پر نحوست اور بدبختی برس رہی ہو گی۔ احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں داخل ہونے والے سب جوان ہوں گے یعنی دنیا میں خواہ کوئی مومن بوڑھا ہو کر فوت ہوا ہو جنت میں داخل ہونے سے پہلے وہ جوان ہو جائے گا۔ اور اس کے جسم پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ اسی طرح دوزخیوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صورتیں مسخ کر دے گا۔ بعض کی صورت خنزیر کی ہو گی، بعض کی بندر کی اور بعض کی کتے کی۔ دل کے اندھے آنکھوں کے اندھے بن کر اٹھیں گے۔ جو دنیا میں تکبر کرتے تھے وہ قیامت کے دن چیونٹی بن کر اُٹھیں گے اور ہر ایک ان کو پاؤں تلے روندے گا۔ کسی کا ایک پہلو مفلوج ہو گا۔ کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہو گا۔ کسی کے ہونٹ لٹکے ہوں گے۔ کسی کے چہرے پہ گوشت نہ ہو گا اور کسی کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے۔ غرض ہر جنتی اور دوزخی کے جسم کی ہیئت اس کے دنیاوی اعمال کے مطابق ہو گی۔

حساب

یومِ قیامت کا تیسرا مرحلہ حساب کا ہے۔ اس کے بارے میں قرآنِ حکیم میں یوں ارشاد ہوا ہے:۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (انبیاء-۴)

(اور ہم قیامت کے دن ترازوئیں رکھیں گے پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کچھ ہو گا تو ہم لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے)

جس وقت تمام جن و انس اور شیاطین و ملائکہ میدانِ حشر (محشر یا موقف) میں اللہ تعالےٰ کے رُوبرُو حاضر ہوں گے۔ حق تعالیٰ اپنی عظمت و جلال اور شانِ قہاری کا جلوہ دکھائے گا۔ سب لوگ سخت مصیبت میں ہوں گے مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہو گی۔ اس وقت رحمۃٌ للعالمین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہو کر شفاعت کی اجازت اور قبولیت کا وعدہ حاصل فرمائیں گے۔ حضورؐ کی شفاعت کو شفاعتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ اب بابِ شفاعت جو مقامِ محمود میں کھل جائے گا۔ حضورؐ

کی شفاعت کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السّلام، صدیقین، شہداء، اولیاء، علماء و صلحاء اور چھوٹے بچے جو مر گئے ہوں اور اعمالِ صالحہ جس وقت اللہ تعالیٰ سے اجازت پائیں گے شفاعت کریں گے اور حق تعالیٰ ان کی شفاعت بھی قبول فرمائے گا (بعض کی قبر میں ہی شفاعت ہو جاتی ہے) باب شفاعت کے بعد حساب شروع ہو جائے گا۔ جملہ انبیاء کی طرف سے صرف امت محمدیؐ شاہد ہو گی اور اپنی امت کے گواہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہوں گے۔ انبیاء سے صرف تبلیغِ احکام کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس کے بعد حقوق العباد پیش ہوں گے۔ ان میں اوّل شہیدوں اور خون کے مظالم کی پُرسش ہو گی۔ اس کے بعد عام حقوق کی۔ عالموں سے عمل اور تبلیغ کی، مال داروں سے صَرفِ مال کی، حاکموں اور قاضیوں سے رعیّت کے حقوق پہچاننے اور انصاف کی۔ عابدوں اور زاہدوں سے عبادت و زہد میں خلوص کی اور زن و شوہر وغیرہ سے ایک دوسرے کے فرائض پہچاننے کی کی پوچھ ہو گی۔ اس کے بعد اعمال سے علی الترتیب نماز، روزہ، حج زکوٰۃ کی نسبت پرسش ہو گی۔

نامۂ اعمال :۔ اس بعد ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اس نامۂ اعمال میں انسان کے تمام اچھے اور برے اعمال جو اس نے دنیا میں کئے درج ہوں گے۔ اعمال نامہ کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے۔ مثلاً سورۂ کہف میں ارشاد ہوا ہے :۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا، (ع-٦)

(اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو تو دیکھے گا گنہگاروں کو کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے افسوس کہ اس کاغذ کو کیا ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی بات نہیں چھوڑتا لیکن اس کو شمار کر لیا اور جو کچھ انہوں نے زندگی میں کیا اس کو سامنے پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔)

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے :۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ط وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا، اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا،

(اور ہم نے ہر انسان کا نتیجۂ عمل اس کی گردن میں چپکا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا کہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے اور آج تیرا نفس خود ہی محاسب ہو تو کافی ہے)

غرض اعمالنامہ انسان کی زندگی کی مکمل اور صحیح ترین تصویر ہوگا۔

اور انسان کی حالت یہ ہوگی :-

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ، (زلزال)

(پھر جس نے ایک ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ برابر کوئی بدی کی ہو گی اس کو دیکھ لے گا۔)

اعضاء کی شہادت :- نامۂ اعمال انسان کے اعمال پر سب سے بڑی شہادت ہوگا اس کے علاوہ انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں آنکھیں کان اور کھال تک اس کے اعمالِ بد پر شہادت دیں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں گنہگاروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے :-

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ، (یٰسین - ۴)

(آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے)

اسی طرح سورہ حٰم السجدہ میں کانوں، آنکھوں اور کھالوں کی گواہی کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

میزانِ عدل :- جب پرسشِ اعمال، نامۂ اعمال اور شہادتوں کا مرحلہ ختم ہو جائے گا تو میزانِ عدل (ترازوئے انصاف) میں جو

عرش کے سامنے پہلے سے قائم ہوگی ہر ایک کے اعمال تولے جائیں گے۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا (کمالِ عدل کے ساتھ) بدلہ دیا جائے تو جس کے اعمالِ خیر کا پلڑا بھاری ہوگا اس کو جنّت کی بشارت دی جائے گی اور جسکے اعمالِ خیر کا وزن ہلکا ہوگا (اور اعمالِ بد کا زیادہ) اس کو جہنّم کا حکم سنایا جائیگا وزنِ اعمال محض قطعِ حجّت اور دشمنانِ خدا کو رسوا کرنے کے لئے ہوگا۔

قرآنِ حکیم میں میزان کا لفظ کئی جگہ آیا ہے۔ بعض علماء نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ لفظ قرآن میں بطور استعارہ آیا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا اور اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کا بھی بدلہ دیا جائے گا اور کسی پہ مطلق ظلم نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے علماء اس کے مادی مفہوم کو صحیح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فی الواقع اعمال تولے جائیں گے گو اس تولنے کا مقصد بھی انصاف کامل اور عدمِ ظلم ہی ہے۔

حوضِ کوثر :۔ بعث کے بعد جب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو ان پر پیاس کا غلبہ ہوگا۔ اس روز ہر پیغمبر کو ایک ایک حوض عطا ہوگا جس کے پانی سے وہ اپنی اپنی امت کے مومنین کی پیاس بجھائیں گے۔ ہر امت کی ایک نشانی ہوگی جس سے اس امت کے نبی اپنی امت کو پہچانیں گے۔ سردرِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلّی

اللہ علیہ وسلم کو جو حوض عطا کیا جائے گا اس کا نام کوثر ہے جو خیر کثیر کے معنوں میں ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے پینے کے بعد پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ امت محمدیہؐ کے مومنوں کی نشانی یہ ہوگی کہ ان کے اعضائے وضو سے نور پھوٹ رہا ہوگا۔

حوضِ کوثر کا پانی مومنین صالحین کو کب عطا ہوگا؟ اس کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حساب سے پہلے عطا ہوگا اور بعض میں ہے کہ پل صراط سے گذرنے کے بعد عطا ہوگا۔ بعض علماء نے ان روایات کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ بعض کو حساب سے پہلے پلایا جائے گا اور بعض کو گناہوں کی وجہ سے اس وقت نہیں دیا جائے گا البتہ جب وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر دوزخ سے چھٹکارا حاصل کریں گے اور جنت میں داخل ہونے کے مستحق ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے سے پہلے عطا کیا جائے گا۔

پل صراط:۔ حساب کے بعد سب لوگوں کو حتیٰ کہ جنت میں جانے والوں کو بھی پل صراط سے گذرنے کا حکم دیا جائے گا۔ یہ ایک نہایت باریک اور نہایت تیز دھار والا راستہ ہوگا جو دوزخ کے اوپر سے گذرتا ہوگا۔ اس کے سرے پر جبرئیل علیہ السلام ہوں گے اور دونوں

طرف فرشتوں کی صفیں ہوں گی۔ یہ فرشتے گذرنے والوں سے ان کی دنیا کی زندگی کی نسبت سوال کرتے ہوں گے۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ پیچھے میدانِ محشر، راستہ بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز اور اس پہ بھی پرسشِ اعمال، نیچے نظر کے سامنے دوزخ منہ پھاڑے ہوئے —— اس لرزہ خیز گھڑی میں انبیائے کرام دعا کریں گے:۔

رَبِّ سَلِّمْ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ۔

(اے میرے رب بچائیو، اے میرے اللہ بچائیو)

تاہم لوگ اپنے اپنے اعمال اور مدارج کے مطابق اس پر سے گذریں گے۔ بعض بجلی کی طرح، بعض آندھی کی طرح، بعض گھوڑے کی طرح، بعض آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے، بعض گھسٹتے ہوئے غرض جنّت میں پہنچنے والے بفضلِ خدا کسی نہ کسی طرح پل صراط پر سے گذر جائیں گے۔ البتہ دوزخ میں جانے والے پل صراط سے کٹ کٹ کر سر کے بل دوزخ میں گر جائیں گے۔

جنّت و دوزخ

حساب کے بعد مخلوق کے ہر فرد کے بارے میں حکمِ الٰہی صادر ہو جائے گا کہ وہ جنّت میں داخل ہو یا دوزخ میں۔ تاہم جنتیوں اور دوزخیوں، سب کو پل صراط سے گذرنا ہوگا۔ اس کے بعد جنّت اور دوزخ کی ابدی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔ قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبوی ؐ

میں جنّت اور دوزخ کا حال تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :۔

جنّت

جنّت فی الحقیقت حق تعالیٰ کے انعامِ خاص کا نام ہے جو وہ اپنے وعدہ کے مطابق اپنے نیک بندوں کو عطا فرمائے گا۔ جنّت کے بیشمار درجے ہیں جو نیکو کاروں کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق عطا ہونگے۔ جنّت کی سب سے بڑی نعمت خداوند بزرگ و برتر کا دیدار ہوگا اس کے علاوہ دوسری نعمتوں کا بھی کوئی شمار نہیں۔ ہر شخص جوان ہوگا اور اس پر کبھی بڑھاپا نہ آئے گا۔ انسان جو چاہے گا خیال آتے ہی پائے گا۔ پہننے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ لباس، رہنے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ محل، خدمت کے لئے حوُر و غلمان غرض جنّتی وہاں جو چاہیں گے بے محنت و تکلیف پائیں گے۔ سورہ "الدّھر" میں جنّت اور جنّتیوں کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے ملاحظہ فرمائیے :

" تو اللہ ان نیکو کاروں کو اس دن (یومِ قیامت) کی سختی سے بچالے گا۔ ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا اور ان کے صبر کے عوض ان کو بہشت کے باغات اور ریشمی لباس عنایت فرمائے گا۔ وہ جنّت میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں دھوپ کی حدّت دیکھیں گے اور نہ سردی کی شدّت۔ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے

ہوں گے۔ ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے اور خدام چاندی کے برتن لئے ہوئے ان کے گرد پھریں گے اور شیشے کے شفاف گلاس اور شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے ٹھیک اندازے سے بھرا ہوگا اور اس میں ان کو ایسا جامِ شراب بھی پلایا جائے گا جس میں سونٹھ ملی ہوگی۔ اس بہشت کے ایک چشمہ سے جس کا نام سلسبیل ہے اور ان کے پاس یہ چیزیں لے کر ایسے لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ اگر تو ان کو دیکھے تو سمجھے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی بادشاہی پائے گا۔ ان جنتیوں پر باریک ریشم (دیبا) کے سبز اور دبیز ریشم (اطلس) کے کپڑے ہوں گے۔ ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ ان کا پروردگار ان کو شرابِ طہور (پاکیزہ شربت) پینے کو دے گا اور یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری سعی (جو تم دنیا میں کرتے تھے) مشکور ہوئی۔"

قرآنِ کریم میں اسی طرح جگہ جگہ جنّت کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے بعض کا تفصیل کے ساتھ اور بعض کا اجمال کے ساتھ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنّت میں وہ وہ چیزیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گذرا۔ گویا قرآن و حدیث میں صرف ان نعمتوں کا ذکر ہے جن کا انسانی فہم و شعور کسی قدر اندازہ کر سکتا ہے ورنہ بیشمار ایسی نعمتیں بھی ہیں جن کا عقلِ انسانی

ادراک ہی نہیں کر سکتی۔

دوزخ

دوزخ ___ کافروں، مشرکوں، نافرمانوں، شریروں اور گنہگاروں کے لئے خدائی دار العذاب ہے۔ قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی میں اس دار العذاب کے احوال و کیفیات کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس کا تصوّر کر کے بھی جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ دوزخ کے عذاب گناہوں کے مطابق طرح طرح کے ہوں گے۔ کسی کو ہولناک سانپ اور بچھو کاٹیں گے۔ کسی کو آگ میں پھینکا جائے گا۔ جب اس کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کو دوسری کھال دی جائے گی۔ اس کا بھی یہی حشر ہو گا۔ اور یہ عذاب تسلسل کے ساتھ جاری رہے گا۔ کسی کو فرشتے لوہے کے گرزوں سے ماریں گے جب ان کی ہڈی پسلی ریزہ ریزہ ہو جائے گی تو اُن کو اصلی حالت میں لوٹا دیا جائے گا اور پھر گرزوں کی مار شروع ہو جائے گی۔ دوزخیوں کے کپڑے آگ کے ہوں گے۔ ان کو کھانے کے لئے زقوم کا درخت ضریع (ایک خاردار جھاڑی) اور پینے کے لئے زخموں کا دھوون یا کھولتا ہوا پانی پیپ میں ملا کر دیا جائے گا۔

سورۂ حج میں فرمایا گیا ہے:

"جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا

جائے گا جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کی چیزیں بھی گل جائیں گی اور ان کے (مارنے کے لئے) لوہے کے گرز ہوں گے جب کبھی وہ اس غم اور دکھ (کی وجہ سے) اس سے نکلنا چاہیں گے پھر اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔"

اسی طرح جگہ جگہ دوزخ کے گوناگوں عذابوں کا ذکر ہے۔ سب سے کم درجہ کا عذاب جو بیان کیا گیا ہے وہ آگ کی جوتیاں ہوں گی۔ جن سے دماغ تک ہانڈی کی طرح کھولنے لگے گا۔ غرض دوزخی ایسی اذیت میں ہوں گے کہ نہ زندوں میں ہوں گے نہ مُردوں میں جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى

(اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا)

جس طرح جنت کے بہت سے طبقے اور درجے ہیں اسی طرح دوزخ کے بھی بہت سے طبقے اور درجے ہیں۔ دوزخی اپنے اپنے بُرے اعمال کی حیثیت کے مطابق ان طبقوں میں پھینکے جائیں گے۔ کسی کو زیادہ عذاب ہوگا کسی کو کم۔ جہاں تک گنہگار مسلمانوں کا تعلق ہے جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے گناہوں کے بقدر کم و بیش مدت تک کم و بیش عذاب بھگت کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

کبریٰ اور دیگر انبیائے کرامؑ کی شفاعت کے علاوہ جملہ صالحین ومقبولین کی شفاعت پر دوزخ سے نکالے جائیں گے اور جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔ یہ شفاعتِ صغریٰ ہے جو حق تعالیٰ کے اذن سے اس طور پر ہوگی کہ مرشد اور مرید، استاد اور شاگرد، والدین اور اولاد، شوہر اور بیوی اور دوست احباب وغیرہم بھی ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے۔

کفّار اور مشرکین کے بارے میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کو اس سے کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی۔ البتہ بعض علماء نے اللہ تعالےٰ کی "رحمتِ عمومی" کو دلیل بنا کر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جب تک دوزخ قائم ہے کفار اور مشرکین اس میں عذاب بھگتتے رہیں گے۔ تاہم ایک دن ایسا آئے گا کہ رحمتِ الٰہی جوش مارے گی اور جہنم کی آگ سرد ہو جائے گی اور اس کی مدتِ حیات ختم ہو جائے گی۔ اس وقت کفار اور مشرکین کو بھی اس سے نجات مل جائے گی۔ جمہور علماء اس مسلک کو درست نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ جس طرح جنّت ابدی ہے اسی طرح دوزخ بھی ابدی ہے۔ اس لئے کفّار اور مشرکین کا عذاب کبھی منقطع نہ ہوگا۔

اعراف:۔ بعض احادیث میں جنّت اور دوزخ کے درمیان واقع ایک مقام "اعراف" کا ذکر آیا ہے۔ اس میں وہ گنہگار مسلمان محبوس ہوں گے جو اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے جنّت میں داخل ہونے کے

مستحق نہ ہوں گے لیکن اپنے اچھے اعمال کی وجہ سے دوزخ میں بھی نہ پھینکے جائیں گے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جن لوگوں کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اعراف میں رکھے جائیں گے۔ وہ جب اہلِ جنّت کو دیکھیں گے تو جنّت میں جانے کی طمع کریں گے اور جب دوزخیوں کو دیکھیں گے تو اللہ تعالےٰ سے ان کے حال کی پناہ مانگیں گے۔ آخرِ کار رحمتِ الٰہی جوش میں آئے گی اور ان سب کو جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اعراف میں وہ لوگ ہوں گے جو راہِ خدا میں شہید ہوئے لیکن وہ ماں باپ کے نافرمان تھے اللہ تعالےٰ ان کو شہید ہونے کی بناء پر دوزخ میں داخل نہیں کرے گا۔ لیکن ماں باپ کی نافرمانی کے سبب ان کو جنّت میں بھی داخل نہیں کریگا۔ یہاں تک کہ ان کا گوشت اور چربی خشک ہو جائے گی۔ اس وقت حق تعالیٰ ان کو جنّت میں داخل کرے گا۔ علماء نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ گو شہادت تمام گناہوں کا کفارہ ہے اور شہدائے فی سبیل اللہ کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں لیکن حقوق العباد نہیں بخشے جاتے۔

معتزلہ کے سوا دوسرے تمام علمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ اعراف کی زندگی ابدی زندگی نہیں ہے۔ تمام اہلِ اعراف کم و بیش مدت کے بعد جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔ ان میں سے دوزخ میں کوئی نہیں جائے گا۔ گویا اعراف اللہ تعالےٰ کی رحمت کے زیادہ قریب ہے۔ اور عذاب سے دُور۔ بلاشبہ ان کو کسی قدر

عذاب کا ذائقہ چکھنا پڑے گا۔ لیکن اس میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو گناہوں سے یکسر پاک وصاف کر کے جنّت میں داخل ہونے کے قابل بنایا جا سکے۔

صحابہ کرامؓ کا خوفِ آخرت

قرآنِ حکیم اور احادیثِ مقدّسہ میں بار بار آخرت کا ذکر کیا گیا ہے اور انسان کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے ہر قول وفعل میں آخرت کا خیال رکھے۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کو گمراہ اور دوزخی قرار دیا گیا ہے اور جو آخرت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور ہر وقت حسابِ آخرت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں ان کو کامیاب و بامراد قرار دیا گیا ہے۔ یہی لوگ آخرت میں جنّت کے حقدار ہوں گے۔ خاصانِ خدا کے سوانح حیات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان نفوسِ قدسی کی زندگیاں قرآن وسنّت کے سانچے میں ڈھلی ہوتی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ ہر وقت خوفِ آخرت سے لرزہ بر اندام رہتے تھے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر پاک سیرت انسان چشمِ فلک نے نہیں دیکھے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ اس مقدس جماعت کی عظمتِ کردار کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ

برحق ؐ نے اس مقدس جماعت کو بار بار جنتی ہونے کی بشارت دی لیکن اس کے باوجود اللہ کے ان مقدس ترین بندوں کی زندگی کا کوئی لمحہ آخرت کے تصوّر سے خالی نہ ہوتا تھا۔ کوئی کام کرتے وقت یا کوئی بات منہ سے نکالتے وقت ان کو یہی خوف دامنگیر رہتا تھا کہ کہیں آخرت میں اس کی پکڑ نہ ہو۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک کی شخصیّت ایک ایسا منارۂ نور بن گئی تھی جس کی روشنی میں گمراہوں کو ہدایت ملتی تھی اور مسافروں کو منزلِ مقصود کا نشان ملتا تھا۔ یہاں ہم بعض صحابہ کرام رضؓ کے خوفِ آخرت کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ ان کا مطالعہ نہ صرف عبرت و نصیحت کا سامان مہیّا کرے گا بلکہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ اعمال میں بھی ممدّ و معاون ثابت ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمانِ فضائل کے مہرِ عالمتاب ہیں۔ عشرہ مبشّرہ کی سلکِ مقدس کا گوہرِ تابندہ ہیں۔ اب بھی سرورِ کونین ؐ کے پہلوئے اقدس میں محوِ خواب ہیں اور قیامت کے دن بھی حضورؐ کی معیّت میں ہوں گے لیکن اپنے گوناں گوں فضائل کے باوجود آپ کے خوفِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ اکثر آہیں بھرتے رہتے تھے اور قیامت کا ذکر سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے تھے اسی بناء پر لوگ آپ کو

اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ (بہت آہیں بھرنے والا اور خدا کی طرف مشغول رہنے والا) کہتے تھے۔ کبھی بار چڑیوں کو چہچہاتے ہوئے دیکھتے تو آہ بھر کر فرماتے۔ "اے پرندو! تم کتنے خوش نصیب ہو جہاں چاہتے ہو، چرتے چگتے ہو اور قیامت میں تم سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ کاش کہ ابوبکر بھی تمہاری طرح ایک پرندہ ہوتا۔" کبھی بار درختوں کو دیکھ کر فرماتے۔ "کاش میں درخت ہی ہوتا کہ آخرت کے مواخذہ سے بچا رہتا۔"

(۲)

صدیق اکبرؓ کا ایک غلام آپ کی خدمت میں کبھی کبھار کوئی کھانے پینے کی چیز ہدیۃً پیش کیا کرتا تھا۔ آپ اس کے استعمال کرنے سے پہلے غلام سے یہ پوچھ کر اطمینان کر لیا کرتے تھے کہ یہ چیز اس نے جائز ذریعے اور اپنی حلال کی کمائی سے حاصل کی ہے۔ ایک دن وہ کوئی کھانے کی چیز لایا اور آپ نے اس میں سے ایک لقمہ کھا لیا۔ وہ حیران ہوا کہ آج آپ نے اس چیز کے ذریعۂ حصول کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اس نے اپنی حیرت کا اظہار کیا تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت میں مجھے یہ پوچھنا یاد نہ رہا۔ اب بتاؤ کہ یہ چیز کیسے لائے؟ غلام بولا کہ زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگوں نے مجھ سے منتر پڑھوائے تھے اور اس کام کی اجرت دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج میرا اُدھر سے گذر ہوا تو ان کے ہاں کسی

کی شادی کی تقریب تھی۔ انہوں نے ان منتروں کے پڑھنے کے عوض مجھے یہ کھانا دیا تھا۔

یہ سن کر صدیق اکبرؓ کے چہرے کا رنگ متغیّر ہوگیا اور فرمایا "افسوس آج تو تُو نے مجھے ہلاک ہی کر ڈالا۔" پھر آپ نے بہت سا پانی منگایا اور اسے پی کر حلق میں انگلی ڈال کر قے کر ڈالی۔ دوبارہ سہ بارہ یہی عمل کیا۔ یہاں تک کہ سب کھایا پیا معدے سے باہر آگیا۔

کسی نے عرض کیا۔ "اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے ایک لقمہ نکالنے کے لئے اتنی زحمت برداشت کی۔"

فرمایا۔ "اگر اس لقمہ سے نجات پانے کے لئے میں مر بھی جاتا تو کوئی بات نہ تھی کیونکہ میں نے اپنے آقا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو جسم حرام مال سے پرورش پائے وہ آگ (کے عذاب) کے لائق ہے۔

(۳)

ایک دن خطبہ دیتے ہوئے آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ اور آپ نے فرمایا۔ "کہاں ہیں وہ حسین اور روشن چہروں والے جن کا شباب لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا تھا؟ کہاں ہیں وہ فرمانروا جو بڑے بڑے شہر بساتے تھے اور ان کی حفاظت کے لئے زبردست قلعے بناتے تھے؟ کہاں ہیں وہ پیکرانِ شجاعت کہ

میدانِ رزم میں فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی؟ گردشِ زمانہ نے ان کو پست کر دیا اور ان کے بازو توڑ دیئے۔"

آپ کا خطبہ سن کر زمین و آسمان میں سناٹا چھا گیا اور سامعین خوفِ آخرت سے رونے لگے۔

(۴)

ایک دفعہ حضرت رافع طائیؓ نے صدیقِ اکبرؓ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپؓ نے فرمایا۔ "خدا تم پر برکت و رحمت نازل فرمائے نمازیں پڑھا کرو، روزے رکھا کرو، زکوٰۃ دو اور حج کرو اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی حکومت و امارت قبول نہ کرنا کیونکہ دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور قیامت کے دن اس سے سختی سے حساب لیا جائے گا اور اس کا اعمالنامہ بہت طویل ہو جائے گا۔"

(۵)

صدیقِ اکبرؓ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنی جگہ خلیفہ نامزد کر کے جو وصیّت فرمائی اس کے چند جملے یہ تھے:۔

"اے عمر کیا تم غور نہیں کرتے کہ پلّہ میزان فی الحقیقت انہیں کا بھاری ہے جو اتّباعِ حق کرتے ہیں اور قیامت کے دن جن کا پلّہ میزان ہلکا ہو گا وہ ان کے اتّباع باطل کی وجہ سے ہو گا۔ اے عمر! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی دوزخیوں کا ذکر کیا ہے

ان کی بداعمالی کے ساتھ کیا ہے اس لئے جب تم ان کا ذکر کروگے تو کہوگے۔ مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے نہ ہوں گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں اہلِ جنّت کا ذکر کیا ہے ان کی نیک عملی کے ساتھ کیا ہے پس جب تم ان کو یاد کروگے تو کہوگے میرے اعمال ان کے سے کہاں؟ اگر تم نے میری وصیّت کو یاد رکھا تو تمہارے نزدیک موت سے زیادہ کوئی غائب کسی حاضر سے زیادہ عزیز نہ ہوگا اور تم ایسے نہیں کہ موت کو عاجز کردو۔"

حضرت عمر فاروق رضؓ

حضرت عمر فاروق رضؓ کی عظیم بالشّان شخصیّت تاریخ اسلام میں ایک مثالی حیثیّت رکھتی ہے وہ لاکھوں مربع میل پر محیط ایک عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا تھے اور ان کے رعب و ہیبت سے بڑے بڑے باجبروت بادشاہوں کے جسموں پر کپکپی طاری ہوجاتی تھی لیکن ان کا اپنا یہ حال تھا کہ ہر وقت خوفِ آخرت سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ عبداللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر خوفِ خدا سے اسقدر رویا کرتے تھے کہ ان کے چہرے پر کثرتِ گریہ سے دو کالے داغ پڑ گئے تھے[۱] نماز پڑھتے ہوئے اگر ایسی آیات آجاتیں جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی

---

[۱] تاریخ الخلفا۔ سیوطیؒ

عظمت وجلال کا بیان ہوتا تو اس قدر متأثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔

(۱)

ایک دفعہ نماز میں سورہ اذا الشمس (تکویر) پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ

(اور جب اعمالنامے کھولے جائیں گے)

تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور کئی روز تک بیمار رہے[1]

(۲)

ایک دن کسی شخص کے مکان کے پاس سے گذرے۔ وہ نماز میں سورۂ طور پڑھ رہا تھا حضرت عمرؓ سننے کے لئے کھڑے ہو گئے جب وہ اس آیت پر پہنچا

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ

(بیشک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہنے والا ہے)

تو وہ اپنی سواری سے اُتر پڑے اور اس شخص کے مکان کی دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت ان پر غشی کی حالت طاری تھی۔ دیر تک اسی طرح بیٹھے رہے آخر اپنے گھر پہنچے تو ایک مہینے تک بیمار رہے

---

[1] ازالۃ الخفا

لوگ ان کی عبادت کے لئے آتے تھے مگر کسی کو بیماری کا سبب نہیں معلوم ہوتا تھا[۱]

(۳)

حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن دیوار کے پیچھے سے سنا کہ حضرت عمر رض کہہ رہے تھے کہ " اے واہ اے عمر تو امیر المومنین ہے واللہ اے ابن خطاب تو خدا سے ڈرتا رہیو ورنہ اللہ تجھے عذاب دے گا"[۲]

(۴)

ایک دفعہ حضرت عمر رض کے پاس ایک بدو آیا اور اس نے آپ سے کپڑے کا سوال کیا۔ آپ نے کہا اگر میں نہ دوں تو کیا ہوگا

اس نے جواب دیا کہ میں چلا جاؤں گا

حضرت عمر رض نے کہا تو پھر کیا ہوگا؟

اس نے جواب میں یہ شعر پڑھے:۔

تکون عن حالی لتسئلة   یوم تکون الاعطیات جنة

والوقف المسئول یهتنبه   اَمّا الی نار واَمّا الی جنة

(پھر یہ ہوگا کہ میرے حال سے تجھ سے سوال ہوگا۔ جس دن کہ صدقات ڈھال بنیں گے اور مسئول سوچتا ہوگا کہ میں دوزخ

---

۱ ازالۃ الخفا ۲ تاریخ الخلفاء للسیوطی رح

کی طرف جاؤں یا بہشت کی طرف۔"

حضرت عمرؓ اس جواب کو سن کر رو پڑے اور اُسے کپڑا دے کر رخصت کیا۔[1]

۵

عہدِ فاروقی میں ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک دِرہم پایا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ یہ یہاں کیوں پڑا رہے اٹھا کر حضرت عمرؓ کے ایک صاحبزادے کو دے دیا حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اپنے صاحبزادے سے درہم واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا اُفسوس تم کو مدینہ میں آلِ عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہیں آیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن "تمام اُمّتِ محمدیہؐ کا مطالبہ میری گردن پر ہو"[2]

(۶)

ایک دفعہ کچھ سرکاری اونٹ گم ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اسی وقت خود ان کی تلاش کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ گرمی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ عرب کی دھوپ جہنّم کی آگ کا نمونہ ہوتی ہے لیکن خلیفۂ عرب و عجم اس چلچلاتی دھوپ میں اونٹوں کی تلاش میں صحرائے عرب میں مارے مارے پھرتے تھے۔ کافی تگ و دو کے بعد

---

[1] سیرۃ الفاروق مولوی سراج الدین۔ [2] خلفائے راشدین۔

اونٹ مل گئے اور ان کو لے کر واپس تشریف لائے۔ جسم پر پسینے اور گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں اور چہرہ تمازتِ آفتاب سے سرخ ہو رہا تھا۔ ادھر سے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس حال میں دیکھا تو کہا۔ "امیر المومنین آپ نے خود کیوں تکلیف کی ملازموں کو اونٹوں کی تلاش میں بھیج دیا ہوتا۔"

آپ نے جواب دیا۔ "اے علیؓ قیامت کے دن ملازموں سے نہیں بلکہ عمر سے باز پرس ہو گی کہ تو نے کیوں ایسی غفلت کی کہ سرکاری اونٹ گم ہو گئے۔"

حضرت علیؓ نے بے اختیار فرمایا۔ "امیر المومنین آپ کامیاب ہو گئے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اے علی میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن برابر سرابر چھوٹ جاؤں۔ نہ مجھے نیکیوں کا اجر ملے اور نہ گناہوں کی سزا۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر میں واقعی کامیاب ہوں۔"

(۷)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ کچھ صحابہ کرامؓ ایک جگہ جمع ہوئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ امیر المومنین کا زہد اور پوشاک کی سادگی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ اللہ نے ان کے ہاتھ پر قیصر اور کسریٰ کی ولائتیں اور مشرق و مغرب کے اطراف فتح کر دیئے۔ عرب اور عجم کے قاصد ان کے پاس آتے ہیں اور اس جبہ کو جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔

دیکھتے ہیں کاش تم لوگ ان کو یہ صلاح دیتے کہ اس جبہ کے بجائے عمدہ نرم کپڑا پہنتے جس سے ان کی شان و شوکت ظاہر ہوتی اور ان کا دستر خوان ایسا وسیع ہوتا کہ صبح و شام انصار و مہاجرین ان کے ساتھ کھانا کھاتے سب نے تجویز کی کہ حضرت علیؓ سے ان کو کہلوایا جائے۔ حضرت علیؓ سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے معذرت کی اور فرمایا کہ ازواج النبیؐ سے کہو وہ امہات المومنین ہیں۔ ان سے کہلوانا مناسب ہوگا۔ احنف بن قیسؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ سے درخواست کی گئی کہ وہ کہیں۔ حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ مجھے امید نہیں ہے کہ وہ اس کو مانیں مگر ہم کہہ دیکھتی ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور کہنے لگیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ تو اس طرح گذر گیا کہ نہ انہوں نے دنیا کا ارادہ کیا اور نہ دنیا نے اُن کا ارادہ کیا۔ آپ کے ہاتھ پر خدا نے قیصر اور کسریٰ کے خزانے کھول دیئے ہیں اور ملک فتح ہو گئے ہیں عرب اور عجم کے قاصد آپ کے پاس آتے ہیں اور یہ جُبہ جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں آپ کے اوپر دیکھتے ہیں۔ اچھا ہوتا کہ آپ اس کو بدل دیتے۔ باریک کپڑا پہنتے اور دستر خوان کو وسیع کرتے۔ حضرت عمرؓ یہ باتیں سن کر رونے لگے اور پھر ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے نبیؐ کی بیبیو! یہ بتاؤ کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی زندگی میں گیہوں کی روٹی دس دن یا پانچ دن یا تین دن بھی شکم سیر ہو کر کھائی

ہو یا آپ کو ہمیشہ دونوں وقت کھانا میسر آیا ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں اور امہات المومنین ہیں اور آپ کا سب مومنوں پر اور خاص کر مجھ پر حق ہے۔ آپ میرے پاس آئیں لیکن آپ نے مجھے دنیا کی رغبت دی اور میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اون کا جبہ پہنا کرتے تھے جس کی سختی (کھردرے پن) سے کئی دفعہ ان کا جسم مبارک چھل جاتا تھا۔ کیا اس کو نہیں جانتیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نرم بستر پر نہیں سوئے۔ کیا آپ کے گھروں میں کوئی فرش یا بچھونا بچھانے کے واسطے تھا۔ کیا چٹائی کے نشان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوؤں میں نہیں پڑ پڑ جاتے تھے۔ اے حفصہ کیا تو نے ایک دفعہ نہیں بیان کیا تھا کہ تو نے ایک دن کپڑے کو دو تہہ کر کے حضورؐ کے نیچے بچھا دیا تھا اور حضورؐ اس کی نرمی کے سبب ایسے سو گئے کہ بلالؓ کی اذان سے پہلے بیدار نہ ہوئے اور تجھ کو فرمانے لگے کہ اے حفصہؓ تو نے آج کیا کیا کہ کپڑا دوہرا کر کے بچھا دیا جس کے سبب سے میں صبح تک سوتا رہا اور فرمایا تھا کہ میرا اور دنیا کا کیا علاقہ ہے اور نرم بستروں سے میرا کیا کام ہے کیا تم نہیں جانتیں کہ رسول اللہؐ مَغْفُورٌ مِّنْ ذَنْبِہٖ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ تھے لیکن ہمیشہ بھوک اور بیداری اور رکوع و سجود اور گریہ و زاری اور عجز و نیاز بدرگاہِ الٰہی اور بیقراری میں رات دن گذارتے تھے۔

یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو اپنی رحمت اور رضوان کی طرف بلا لیا۔ عمر نہ (عمدہ) کھائے گا اور نہ (عمدہ) پہنے گا۔ اس کی حالت اس کے دونوں صاحبوں کی مانند رہے گی وہ ترکاریوں میں سوائے زیتون کے جمع نہ کریگا اور مہینے میں ایک دفعہ سے زیادہ گوشت نہ کھائے گا۔ غرض وہ دونوں یہ سن کر چلی آئیں اور اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ماجرا سنا دیا۔ (ازالۃ الخفا باب تصوّف وسلوک)

(۸)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ایک دفعہ قحط پڑ گیا اور غلّہ بہت گراں ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس زمانے میں مسلسل جو کی روٹی کھانی شروع کر دی مگر وہ ان کے معدے کے موافق نہ آئی اور تکلیف دینے لگی۔ اس حال میں وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم اس کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا جب تک کہ خدا مسلمانوں کو ارزانی نہ بخشے کیونکہ قیامت کے دن مجھ سے ان کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ (ازالۃ الخفا باب تصوّف وسلوک)

(۹)

ایک دفعہ عراق سے کچھ لوگ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی خوراک انتہائی سادہ تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ رغبت سے کھانا نہیں کھاتے تو فرمانے لگے کہ اے اہلِ عراق

اگر میں چاہتا تو میرے لئے پُر تکلّف کھانا تیار ہو سکتا تھا لیکن ہم اپنی دنیا سے یہاں کے بدلے آخرت میں حاصل کرنے کے لئے ذخیرہ کرتے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی:

اِذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا۔

(۱۰)

حضرت عمرؓ اپنے زمانۂ خلافت میں ایک رات گشت کرتے ہوئے مدینے سے دُور نکل گئے۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے اس کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ یہ بچّے کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ان کی تسلّی کے لئے خالی ہانڈی چڑھائی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت مدینے واپس آئے اور کھانے کا سامان اپنے کندھے پر رکھ کر اس عورت کے گھر کی طرف چلنے لگے۔ غلام نے عرض کی۔ "امیر المومنین یہ سامان مجھے دے دیجیے میں اُٹھا کر لے جاؤں گا۔" آپ نے فرمایا۔ "تم آج تو میرا بوجھ اُٹھا لو گے لیکن کل قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا۔" یہ کہہ کر خود ہی وہ سامان اٹھا کر لے گئے اور جب تک اس عورت اور اس کے بچوں کو کھلا پلا نہ دیا واپس نہ آئے:

حضرت عثمان ذوالنّورین رضؓ

حضرت عثمان ذوالنّورین رضؓ پر خوفِ آخرت اسقدر غالب تھا کہ کوئی جنازہ دیکھتے تو چشم پُر آب ہوجاتے - اگر کبھی قبرستان سے گذر ہوتا تو اس قدر روتے کہ ریشِ مبارک تر ہو جاتی - لوگ پوچھتے کہ دوزخ اور جنّت کے ذکر سے تو آپ اتنے بیقرار نہیں ہوتے لیکن قبروں کو دیکھ کر آپ بے اختیار رونے لگتے ہیں اس کا کیا سبب ہے ؟ آپ فرماتے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر یہ منزل آسانی سے طے ہو گئی تو پھر تمام مرحلے آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مرحلے دشوار ہوں گے -

(۲)

ایک دفعہ آپ نے اپنے غلام کو تنبیہ کرنے کے لئے اس کا کان مروڑ دیا لیکن جب آخرت کی بازپرس کا خیال آیا تو لرز اٹھے اور غلام سے کہا کہ بھائی میں نے تمہارا کان مروڑا ہے تم مجھ سے اس کا بدلہ ابھی لے لو اور میرا کان ابھی مروڑو - اس نے ایسا کرنے میں پس و پیش کی تو آپ نے اصرار کیا کہ تم مجھ سے ضرور بدلہ لو - اس نے حکم کی تعمیل میں آپ کے کان کو ہلکا سا مروڑ دیا آپ نے فرمایا یوں نہیں میں نے تمہارا کان زور سے مروڑا تھا

تم بھی زور سے مروڑ دو۔ دنیا میں بدلہ ادا ہو جانا آخرت کے قصاص سے بہتر ہے"۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ

(۱)

زوجِ بتول حضرت علی کرم اللہ وجہہ میدانِ وغا میں اسد اللہ الغالب تھے اور راہِ حق میں دنیا کی کوئی سختی اور مصیبت ان کو ہراساں نہیں کر سکتی تھی لیکن آخرت کا خوف آپ پر اس قدر غالب تھا کہ اپنے اوپر دن کا چین اور رات کا آرام حرام کر رکھا تھا۔ اپنے عہدِ خلافت میں بازاروں میں نکل جاتے اور خدمتِ خلق میں مصروف رہتے۔ کسی سے بوجھ نہ اٹھایا جاتا تو اس کا بوجھ اٹھا دیتے۔ کوئی راستہ بھول جاتا تو اس کو راستہ بتاتے۔ کوئی بھوکا ہوتا تو اس کو کھانا کھلاتے۔ کوئی پیاسا ہوتا تو اس کو پانی پلاتے۔ یہاں تک کہ کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ کر گر جاتا تو وہ بھی اسے اٹھا کر دیتے۔ خدمتِ خلق کے ساتھ ساتھ یہ آیت کریمہ آپ کے وردِ زبان رہتی:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

(ہم آخرت کا گھر ان لوگوں کو دیں گے جو نہ زمین میں سرکشی اور فساد نہیں کرنا چاہتے اور عاقبت (کی فلاح)

سعادت) صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے)

(۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ وقتاً فوقتاً قبرستان میں تشریف لے جاتے اور آخرت کو یاد کر کے روتے رہتے۔ ایک دن قبرستان میں بیٹھے تھے کہ کسی نے پوچھا۔" اے ابوالحسن آپ یہاں کیسے تشریف رکھتے ہیں "۔ فرمایا ۔" میں ان (اہلِ قبور) کو بہت اچھا ہم نشیں پاتا ہوں۔ کسی کی بدگوئی نہیں کرتے اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔ (خلفائے راشدین)

(۳)

ایک دن کمیل بن زیاد نخعی کے ساتھ قبرستان میں تشریف لے گئے اور قبروں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے ۔" اے قبر میں بسنے والو۔ اے بوسیدہ مکانوں میں رہنے والو۔ اے تنہائی اور وحشت میں رہنے والو کہو کیا خبر ہے کیا حال ہے۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ تمہارے جانے کے بعد مال تقسیم کر لئے گئے۔ اولادیں یتیم ہو گئیں۔ بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے اب تم بھی اپنا کچھ حال بتاؤ۔"

یہ فرما کر کچھ دیر خاموش رہے پھر حضرت کمیل کی طرف دیکھا اور فرمایا ۔" اے کمیل، اگر ان (اہلِ قبور) کو بولنے کی اجازت ہوتی تو یہ جواب دیتے کہ بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے "۔

اس کے بعد آپ رونے لگے اور فرمایا ۔" اے کمیل قبر اعمال کا

صندوق ہے اور موت کے وقت ہی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔" (کنز الاعمال)

(۴)

حضرت ضرار اسدیؒ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے بارہا دیکھا کہ جب رات ختم ہونے کو آتی تو حضرت علی کرم اللہ وجہ اپنی ڈاڑھی ہاتھ میں لے کر اس طرح بیقرار ہو جاتے جیسے کوئی سانپ کے ڈسنے سے بیقرار ہوتا ہے۔ اسی حالت میں زار زار روتے اور فرماتے۔" اے دنیا پرے ہٹ مجھ کو فریب نہ دے۔ میں تجھ کو تین طلاقیں دے چکا ہوں اب ان سے رجوع نہیں کر سکتا۔ تیری عمر کم ہے اور تیری قدر و منزلت بے حقیقت۔ آہ زادِ راہ کم ہے اور سفر طویل اور وحشتناک۔"

(۵)

اپنی وفات سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حضرت امام حسنؓ کو جو وصیّت کی اس میں منجملہ دوسرے امور کے فرمایا۔" اے فرزند موت کا کچھ پتا نہیں کب آجائے۔ بہرحال سب نے ایک نہ ایک دن اس کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس کی فکر آج ہی سے کرو اور اس کے آنے سے پہلے زادِ راہ فراہم کرلو اور دنیا پر آخرت کو مقدّم جانو۔ اے میرے نورِ نظر تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ بڑا کٹھن اور مصائب و آفات سے بھرا ہوا ہے اس میں نہ دلربا اشیاء

ہیں اور نہ عیش و مسرّت کے سامان۔ لیکن اس راستے پر چلنے والا ہی خدا کی خوشنودی حاصل کرے گا اور جنّت میں داخل ہوگا ـــــ دوسرا راستہ بڑا کشادہ اور دلکش ہے اس میں ہر قسم کا آرام اور عیش میسّر ہے نہ کسی قسم کا غم ہے اور نہ کوئی مصیبت۔ لیکن یہ طاغوت کا راستہ ہے اور اس پر چلنے والا جہنّم میں داخل کیا جائے گا۔ آج ہی ان میں سے ایک راستہ اختیار کر لو۔ کیونکہ موت کے بعد پھر یہ موقع نہ ملے گا۔

حضرت سلمان فارسیؓ

(۱)

حضرت سلمان فارسیؓ کی عظیم بالشّان شخصیّت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے فضائل و مناقب سے تاریخ و سیر کے بیسیوں صفحات جگمگا رہے ہیں۔ سرورِ دو عالمؐ کو وہ اس قدر محبوب تھے کہ حضورؐ ان کو اپنے گھر کا ایک فرد قرار دیتے تھے۔ بایں ہمہ فضائل، حضرت سلمانؓ خوفِ آخرت سے ہمیشہ لرزہ بر اندام رہتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ

(بیشک جہنّم ان سب کے وعدہ کی جگہ ہے)

تو اُسے سن کر آپ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور دیوانہ وار بھاگ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے کہیں تین دن بعد ان کی صورت دیکھی۔

(۲)

خلفائے راشدین کے عہد میں آپ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے لیکن ہمیشہ پوری کی پوری تنخواہ مسکینوں اور حاجت مندوں میں بانٹ دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر بسر اوقات کرتے تھے۔ لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ ایک عبا، ایک زیر جامہ اور ایک اونچا پاجامہ۔ عبا کے آدھے حصّے کو اوڑھ لیتے تھے اور آدھے سے بچھونے کا کام لیتے تھے۔ سوتے وقت دو اینٹیں جوڑ کر تکیہ بنا لیتے تھے۔ مدائن کی گورنری کے زمانہ میں کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنا حال اس قدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے تو فرمایا کہ آرام و راحت تو صرف آخرت کے لئے ہے۔

(۳)

ایک موقع پر اکابر قریش کسی جگہ جمع تھے اور اپنے اپنے فضائل بیان کر رہے تھے۔ حضرت سلمانؓ بھی وہاں موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ بھی کچھ کہیں۔ فرمایا۔ "بھائیو میں کس بات پر فخر کروں۔ اپنے آغاز پر نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ایک گندے پانی کے قطرے سے پیدا ہوا ہوں۔ انجام پر نظر ڈالتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن یہ جسم ایک گلی سڑی بدبودار لاش کی شکل اختیار کر لے گا۔ پھر یوم قیامت کو زندگی کے سارے اعمال کا وزن ہوگا۔ اگر نیکیوں کا پلّہ بھاری ہوا تو اللہ نے کامیاب کیا ورنہ پھر

ہمیشہ کے لئے ذلّت و خواری ہے۔"

(۴)

حضرت سلمانؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ وہ رونے لگے۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا۔ "ابو عبداللہ یہ رونے کا کونسا موقع ہے؟ آپ کو تو مسرور ہونا چاہیئے کہ اب اپنے محبوب سرورِ دو عالمؐ سے خلدِ بریں میں ملاقات ہو گی۔" حضرت سلمانؓ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم میں موت کے ڈر سے نہیں روتا۔ مجھے رونا اس بات پر آتا ہے کہ میرے گھر میں اسقدر سامان جمع ہیں حالانکہ میں نے حضورؐ سے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادِ راہ سے زیادہ نہ ہو گا۔"

یہ سامان جس کی وجہ سے حضرت سلمانؓ گریہ وزاری کر رہے تھے محض ایک بڑے پیالے، ایک لوٹے، ایک بوسیدہ کمبل اور ایک تسلے پر مشتمل تھا۔

حضرت زبیر بن العوّام رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر بن العوامؓ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ حضورؐ کے عاشقِ صادق تھے اور آپؐ پر جان نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ بارگاہِ نبویؐ سے ان کو جنّت کی بشارت دی گئی تھی اور "حواریٔ رسول" کا لقب عطا ہوا تھا۔ ان کے

خوفِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ، ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ

(تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے اپنے جھگڑے پیش کرو گے۔)

تو انہوں نے حضورؐ سے پوچھا: "یا رسول اللہؐ کیا قیامت کے دن ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے"۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا"۔

یہ سن کر ان کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی اور کہنے لگے۔ "اللہ اکبر کیسا سخت موقع ہو گا"۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ

(۱) حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ بارگاہِ نبوت سے ان کو "امین الامۃ" کا خطاب حاصل ہوا تھا۔ ان کے راسخ فی الاسلام ہونے کا یہ حال تھا کہ جنگِ بدر میں اپنے کافر باپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ جنگِ احد میں حضورؐ کے رخسارِ مبارک میں زرہ کی کڑیاں کھب گئیں تو ان کو اپنے دانتوں سے باہر نکالا۔ اس

کوشش میں ان کے دو دانت شہید ہو گئے لیکن خوش تھے کہ حضورؐ کی تکلیف میں کمی ہوئی۔ انہوں نے عہدِ رسالت کے اکثر معرکوں میں رسول اکرمؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اور عہدِ صدیقیؓ و عہدِ فاروقیؓ کے جہادِ شام میں نمایاں حصّہ لیا۔ وفات کے وقت جہادِ شام کے سپہ سالارِ اعظم تھے۔ اپنے عظیم مرتبہ کے باوجود ان کے خوفِ آخرت کا یہ حال تھا کہ معمولی معمولی واقعات کو اپنے لئے سرمایۂ عبرت سمجھتے تھے اور بے اختیار رو دیتے تھے۔

(۲)

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے گھر آیا۔ دیکھا تو آپ زار زار رو رہے تھے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ابوعبیدہؓ خیر تو ہے آپ اسقدر رو کیوں رہے ہیں"؟ جواب دیا۔ "ایک روز رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کی آئندہ فتوحات اور خوشحالی کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ ابوعبیدہ اگر تم اس وقت تک زندہ رہے تو تمہارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے ایک خاص تمہاری ذات کے لئے، ایک تمہارے اہل وعیال کے لئے اور ایک سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے۔ اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں۔ ایک تمہارے لئے، ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب وسامان کے لئے۔ لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ آہ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدسؐ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال میں مجھ سے ملے گا۔ جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤنگا۔"

(۳)

بیت المقدس کی فتح کے موقع پر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ وہاں تشریف لے گئے۔ تو فوج کے افسروں نے باری باری آپ کی دعوت کی لیکن سپہ سالارِ اعظم حضرت ابو عبیدہؓ نے آپ کو مدعو نہ کیا۔ امیر المومنین نے ایک دن ان سے پوچھا کہ سب افسروں نے مجھے اپنے یہاں مدعو کیا لیکن آپ نے میری دعوت نہیں کی۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا۔" امیر المومنین میں نے اس خیال سے آپ کو مدعو نہیں کیا کہ کہیں آپ میرے ہاں تشریف لاکر آزردہ خاطر نہ ہوں۔" حضرت عمرؓ نے اصرار کے ساتھ فرمایا۔" نہیں ایک روز آپ مجھے اپنے ہاں ضرور بلائیے۔" چنانچہ ایک دن حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ امیر المومنین انکی قیامگاہ پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہاں گھوڑے کا ایک نمدہ پڑا ہے۔ وہی فاتح شام کا بستر ہے اور وہی گھوڑے کی زین۔ ایک طاق میں روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے پڑے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے وہی ٹکڑے تھوڑے سے نمک کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دیئے۔

یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ بے اختیار رو دیئے اور حضرت ابو عبیدہؓ

کو سینے سے لگا کر فرمایا "تم میرے بھائی ہو تمہارے سوا دوسرے لوگوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے دنیا کا کچھ نہ کچھ مزہ نہ چکھ لیا ہو۔"

حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے کہا۔ "امیر المومنین میں اسی لئے آپ کی دعوت نہ کرتا تھا کہ آپ کو میرے یہاں آکر آنسو نہ بہانا پڑیں۔"

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ

(۱)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضورؐ نے ان کو واضح الفاظ میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی لیکن ان کے خوفِ آخرت کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ہر واقعہ ان کے لئے درسِ عبرت بن جاتا تھا اور ان پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ دن بھر روزہ رکھا۔ شام کو کھانا سامنے آیا تو مسلمانوں کا فقر و فاقہ یاد آگیا۔ کہنے لگے

"مصعب بن عمیر رضؓ مجھ سے بہتر تھے وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی اس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اسی طرح حمزہ رضؓ شہید ہوئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہو گئی ہے اور ہمیں اسقدر دنیاوی نعمتیں عطا کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہمارے نیک اعمال کا معاوضہ دنیا ہی میں مل گیا۔" اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

(۲)

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے کاروبار میں اتنی برکت دی کہ دولت کی ریل پیل ہوگئی لیکن وہ اپنی دولت کو ہر وقت راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ سورۂ برأت نازل ہوئی تو انہوں نے اپنا نصف مال راہِ خدا میں دے دیا۔ پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے۔ اسی طرح جہاد کے لئے پانچسو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ پیش کئے وہ ایک ایک دن میں تیس تیس غلام محض رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کر دیتے تھے۔ وفات کے وقت پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا میں وقف کئے اور بدری صحابہؓ کے لئے چار چار سو دینار کی وصیّت کی۔ اس وقت ایک سو بدری صحابہؓ بقیدِ حیات تھے۔ ان سب نے اس وصیّت سے فائدہ اٹھایا۔

(۳)

انفاق فی سبیل اللہ میں اتنے اہتمام کے باوجود حضرت عبدالرحمٰنؓ کو یہی فکر رہتی تھی کہ کہیں میرا تموّل آخرت میں عذاب کا باعث نہ بن جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ "اماں مجھے ڈر ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک نہ کر ڈالے۔"

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا "بیٹا راہِ خدا میں صرف کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بعض مسلمانوں کو آخرت میں

میرا دیدار نصیب نہ ہوگا۔" ؎۵

(۴)

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کا ایک تجارتی قافلہ اس شان سے مدینہ واپس آیا کہ اس میں سات سو اونٹوں پر صرف گندم، آٹا اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء لدی ہوئی تھیں۔ تمام مدینہ میں اس قافلے کی دھوم مچ گئی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے سنا تو فرمایا۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن جنّت میں رینگتے ہوئے جائیں گے۔" حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کو اطلاع ہوئی تو فوراً ام المومنین رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "اے ام المومنین رضؓ آپ گواہ رہیئے کہ میں یہ پورا قافلہ معہ ساز و سامان بلکہ اونٹ اور کجاوے تک راہِ خدا میں وقف کرتا ہوں۔"

حضرت ابوہریرہ رضؓ

(۱)

ایک دفعہ اشفیاء اصبحی شام سے مدینہ منوّرہ آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگ جمع ہیں اور وہ ان کے سامنے حدیث بیان فرما رہے

؎۵ یعنی حضورؐ نے تنبیہہ فرمائی کہ جو لوگ راہِ خدا میں اپنا مال صرف نہیں کرتے اُنکو آخرت میں آپ کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔

ہیں۔ اشفیاد اصبحی نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اُن کو بتایا گیا کہ یہ صاحبِ رسول ؐ حضرت ابوہریرہ ہیں — یہ سن کر اشفیاد اصبحی وہیں بیٹھ گئے۔ جب لوگ چلے گئے تو انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جسے آپ نے خود حضورؐ کی زبانِ مبارک سے سُنا ہو اور اسے جانا ہو اور سمجھا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے فرمایا۔ "میں تم سے ایسی ہی ایک حدیث بیان کرونگا۔" یہ کہا اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو بولے "میں تم سے ایسی ہی حدیث بیان کرونگا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور حضورؐ کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہ تھا۔" یہ کہہ کر پھر چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرونگا جو حضورؐ نے اسی گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے سوا اور کوئی شخص حضورؐ کے پاس موجود نہ تھا۔" یہ کہہ کر پھر چیخ ماری اور بیہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑے۔ اشفیاد اصبحی نے آپ کو سنبھالا۔ ہوش میں آئے تو بولے۔ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلے کے لئے عدالت قائم فرمائے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کئے جائیں گے۔ قرآن کا عالِم۔ (بظاہر) خدا کی راہ میں شہید ہونے والا۔ اور مالدار۔ حق تعالیٰ قرآن کے عالم سے پوچھے گا۔

"کیا میں نے تجھے قرآن کا علم نہیں دیا تھا؟"

وہ جواب دیگا۔ "ہاں اے پروردگار۔"

اللہ تعالیٰ سوال کریگا۔ "تو نے اس پر کیا عمل کیا؟"

وہ جواب دے گا۔ "میں دن رات اس کی تلاوت کرتا تھا۔"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ "تو جھوٹا ہے تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کہیں اور تجھے دنیا میں وہ خطاب مل گیا۔"

پھر اللہ تعالیٰ مالدار سے دریافت فرمائے گا۔ "کیا میں نے تجھے مال و دولت عطا کر کے لوگوں کی محتاجی سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا؟"

وہ جواب دیگا۔ "بیشک اے پروردگار۔"

اللہ پوچھے گا۔ "تو نے کیا عمل کیا؟"

وہ کہے گا۔ "میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقہ دیتا تھا۔"

اللہ فرمائے گا۔ "تو جھوٹا ہے۔ صلہ رحمی اور صدقہ سے تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھ کو فیاض اور سخی کہیں اور تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو گیا۔"

پھر وہ شخص طلب کیا جائیگا جو راہِ خدا میں شہید ہونے کا مدعی ہوگا حق تعالیٰ اس سے دریافت کریگا کہ "تو کیوں قتل کیا گیا؟"

وہ کہے گا۔ "تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا اور میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا۔"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ "تو جھوٹ بولتا ہے۔ جدال و قتال سے تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھ کو شجاع اور بہادر کہیں اور تو نے دنیا میں اپنا مقصد حاصل کر لیا۔"

یہ حدیث بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ "ابوہریرہ! سب سے پہلے انہیں تینوں گروہوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔"

حضرت اشقیاء الصبحی نے شام واپس جا کر حضرت معاویہ رضؓ کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو وہ بہت روئے۔

(۲)

حضرت ابوہریرہؓ اپنے مرض الموت میں بہت رویا کرتے تھے۔ لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے۔ "میں اس دنیا کی رنگینیوں سے جدا ہونے پر نہیں روتا بلکہ سفرِ آخرت کی دشواری اور زادِ راہ کی قلت پر روتا ہوں۔ میں اس وقت دوزخ اور جنت کے نشیب و فراز کے درمیان ہوں معلوم نہیں ان میں سے کس راستے پر جانا ہوگا۔"

حضرت مالک بن ثعلبہ رضؓ

حضرت مالک بن ثعلبہؓ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر مال و دولت عطا کر رکھی تھی۔ ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے جا رہے تھے۔ اس وقت حضورؐ یہ آیت پڑھ رہے تھے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

(جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دو۔)

حضرت مالکؓ یہ آیت سن کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا۔ "یا رسول اللہؐ کیا یہ آیت سونا اور چاندی جمع کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں"

حضرت مالکؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہؐ شام ہونے سے پہلے اس غلام کے پاس ایک درہم یا دینار بھی باقی نہیں رہے گا۔"

چنانچہ شام ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹا دی۔

کتابیات

اس کتاب کی تدوین و تالیف میں قرآنِ حکیم کے علاوہ جن کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں :-

۱- صحیح بخاری	امام بخاری رح
۲- صحیح مسلم	امام مسلم رح
۳- جامع ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رح
۴- کتاب الروح	امام ابنِ قیّم رح
۵- کیمیائے سعادت	امام غزالی رح
۶- دقائق الاخبار	امام غزالی رح
۷- شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور	امام جلال الدّین سیوطی رح
۸- تکمیل الجبور ترجمہ شرح الصدور	مولوی محمد اسماعیل کاندھلوی
۹- علاماتِ قیامت	شاہ رفیع الدین دہلوی رح
۱۰- تذکرۃ المعاد	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح
۱۱- تذکرۃ الموتیٰ والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح
۱۲- حیات الاموات فی بیان سماع الاموات	مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح

۱۳- سیرۃ النبیؐ جلد چہارم	مولانا سید سلیمان ندویؒ
۱۴- جزاء الاعمال	مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ
۱۵- الایمان	مولانا محمد مقتدیٰ خاں شروانیؒ
۱۶- موت کا منظر	مولانا حافظ محمد اسحاق دہلویؒ
۱۷- آثارِ قیامت	ابوالخیر محمد بشیر صدیقی
۱۸- خلفائے راشدین	حاجی معین الدین ندوی
۱۹- مہاجرین	مولوی شاہ معین الدین
۲۰- سیر انصار	مولانا سعید انصاریؒ
۲۱- سیرۃ الفاروقؓ	منشی محمد سراج الدین احمد
۲۲- خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت	ابو محمد امام الدین رام نگری

اچھی اور سستی کتابیں

معراج المومنین	محمد حلیم
مجددِ اعظم	״
تذکرہ حضرت خواجہ اجمیریؒ	طالب ہاشمی
تذکرہ سیّدنا غوث اعظمؒ	״
حضرت ابو ایوب انصاریؓ	״
اخلاقِ پیمبری	״
یہ تیرے پُراسرار بندے	״
معجزاتِ سرورِ کونینؐ	״
حکایات سعدیؒ	״
حکایاتِ رومیؒ	״
حکایات صوفیہ	״
ارشاداتِ دانائے کونینؐ	״
تذکرہ حضرت علی ہجویریؒ	حکیم امین الدین
کیرو کی ہاتھ کی بات	ترجمہ کمال احمد رضوی

شعاعِ ادب
چوک انارکلی۔ مسلم مسجد
بیرون لوہاری گیٹ۔ لاہور

اچھی سستی اور خوبصورت کتابیں

بابا فرید گنج شکرؒ
طالب ہاشمی

سیّدنا غوثِ اعظمؒ
طالب ہاشمی

حکایاتِ صوفیہ
طالب ہاشمی

معجزاتِ سرورِ کونینؐ
طالب ہاشمی

اخلاقِ پیغمبریؐ
طالب ہاشمی

سفرنامۂ آخرت
طالب ہاشمی

شعاعِ ادب
چوک انارکلی
مسلم مسجد
لاہور